کلیات رسائل نور سے ماخوذ

تیسواں مقالہ

خودی کا سرِّ نہاں

اس مقالے نے طلسم ہستی کو کھولنے والے قرآنِ حکیم کے ایک اہم طلسم کو بخوبی حل کر دیا ہے۔۔۔

کتاب کبیر ''أنا'' کا ایک الف۔

اور بحرِ عظیم ''ذرّہ'' کا ایک نقطہ۔۔۔

یہ مقالہ دو مقاصد پر مشتمل ہے:

مقصدِ اول: ''أنا'' کی ماہیت اور اس کے نتائج سے بحث کرتا ہے

مقصدِ ثانی: ''ذرّے'' کی حرکت اور اُس کے وظائف کے بارے میں بحث کرتا ہے۔۔۔

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

Rasail-e-Nur Foundation Pakistan
PAKISTAN

تیسواں مقالہ:

خودی کا سرِّ نہاں

اس مقالے نے طلسم ہستی کو کھولنے والے قرآنِ حکیم کے ایک اہم طلسم کو بخوبی حل کر دیا ہے۔۔۔

کتاب کبیر ''أنا'' کا ایک الف۔

اور بحرِ عظیم ''ذرّہ'' کا ایک نقطہ۔۔۔

یہ مقالہ دو مقاصد پر مشتمل ہے:

مقصدِ اول: ''أنا'' کی ماہیت اور اس کے نتائج سے بحث کرتا ہے

مقصدِ ثانی: ''ذرّے'' کی حرکت اور اُس کے وظائف کے بارے میں بحث کرتا ہے۔۔۔

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

نام کتاب	:	تیسواں مقالہ
ترکی نام	:	اوتوزنجی سوز
مصنف	:	بدیع الزمان سعید نورسیؒ
مترجم	:	ثناءاللہ شاہد
طباعت	:	میثاق انٹر پرائزز، اسلام آباد 0333-5683292
طبع اوّل	:	جون ۲۰۱۴ء

ڈسٹری بیوٹر:

میثاق انٹرپرائزز

47۔ گیلانی پلازہ، نزد موٹروے چوک، پشاور روڈ، اسلام آباد

فون: 051-5402571,0333-5683292

مقصدِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾

ہم اِس گرانقدر آیت کے گنجِ گرانمایہ میں سے صرف ایک جوہر کی طرف اِشارہ کریں گے، اور وہ یہ ہے کہ: بے شک وہ امانت جسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا، اُس کے متعدد معانی اور بہت سے پہلو ہیں۔ اُن معانی میں سے ایک معنی اور ان پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے: ''اَنا''۔

جی ہاں! بے شک ''اَنا'' ایک بیج ہے جس سے نورانی شجرِ طوبی ہولناک شجرِ زقوم کے پہلو بہ پہلو پروان چڑھتا ہے۔ اور ان دونوں درختوں نے اپنی جڑیں اور شاخیں زمانۂ آدم سے لے کر تا این دَم عالمِ انساں کے اطراف واکناف میں پھیلا رکھی ہیں۔۔۔

اس عظیم ُالشان حقیقت کی گہرائیوں میں اُترنے سے پہلے ہم ایک ''مقدمہ'' بیان کرتے ہیں، جو اسے آسانی کے ساتھ سمجھنے میں مدد دے گا:

مقدمہ

''اَنا'' اسمائے الٰہیہ کے مخفی خزانوں کو کھولنے والی ایک چابی ہے، جیسے کہ وہ ایک مشکل اور حل نہ ہونے والا معمہ اور حیرت انگیز طلسم ہے۔ لیکن جب ''اَنا'' کی ماہیت سمجھ میں آجائے تو یہ معمہء غریب اور طلسمِ عجیب از خود حل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے حل ہوتے ہی کائنات کے اس طلسم اور عالم وجوب کے خزانوں کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔۔۔ ہم نے

اپنے عربی مضمون ''**الشمة**'' میں اس بات پر بحث کی ہے کہ '' کائنات کی چابی انسان کے ہاتھ میں اور اس کے اندر ہے۔ اور یہ کہ کائنات کے دروازے اگرچہ بظاہر کھلے ہوئے لگتے ہیں لیکن درحقیقت مُغلق ہیں۔ پس حق تعالیٰ نے انسان کو اُمانت کی جہت سے ایک چابی عطا کر دی ہے جس کا نام ''اُنا'' ہے، جو کہ کائنات کے تمام تر دروازے کھول دیتی ہے، اور اُسے ایک ایسی انانیت عطا کر دی ہے جو سراپا طلسم ہے جس سے وہ خلاقِ کائنات کے اِن مخفی خزانوں سے پردہ سرکاتا ہے۔ لیکن ''اُنا'' بذاتِ خود ایک مغلق مُعمہَ اور حل ناپذیر طلسم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ اگر اِس کی حقیقی ماہیت اور تخلیق کا راز سمجھ میں آجائے تو اِس طلسم کا دروازہ از خود کھل جاتا ہے اور اِس کے کُھل جانے سے کون ومکان کا طلسم بھی کھل جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ: بے شک صانعُ الحکیم نے انسان کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ایک ''اُنا'' رکھ دی ہے، اور یہ ''اُنا'' ایسے اشاروں اور نمونوں پر مشتمل ہے کہ جو اُس کی جلیلُ القدر ربوبیت کے اوصاف کے حقائق کا اظہار کرتے اور اُن کی پہچان کراتے ہیں، تاکہ یہ ''اُنا'' ایک ایسی وحدتِ قیاسی بن جائے جس کے ذریعے اوصافِ ربوبیت اور شئونِ اُلوہیت کی پہچان ہو جائے۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس وحدتِ قیاسی کا کوئی حقیقی وجود ہو، بلکہ یہ ممکن ہے کہ یہ وحدتِ قیاسی ایک فرض اور وہمی تانے بانے سے تشکیل پاتی ہو، بالکل ایسے جیسے کہ علمِ ہندسہ میں فرضی خطوط ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ''اُنا'' کے لیے یہ لازمی نہیں کہ علم وتحقیق کی روشنی میں اس کا کوئی حقیقی وجود پایا جائے۔۔۔

سوال: حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ''اُنانیت'' کے ساتھ مربوط کیوں ہے؟

الجواب: کیونکہ ایک مطلق اور مُحیط شے کو نہ تو کوئی شکل دی جا سکتی ہے، نہ اُس پر کسی بھی جہت سے کسی شکل وصورت یا تعیُن کے دیے جانے کا کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے اور نہ اس کی

ماہیت سمجھ میں آسکتی ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ لامنتہائی اور لامحدود ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر: دائمی روشنی کہ جس میں تاریکی خلل انداز نہ ہو، اس کا احساس اور اس کے وجود کی پہچان صرف اُسی صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ اس کے اندر حقیقی یا وہمی تاریکی کے خطوط کھینچ دے جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں _ جیسے علم اور قدرت وغیرہ _ اور اس کے اسمائے حسنیٰ ہیں _ جیسے کہ حکیم ورحیم وغیرہ _ کیونکہ یہ اسماء وصفات، لامحدود ہیں ہر شے کو محیط ہیں، لاشریک ہیں، ان کی ماہیت معلوم نہیں ہوسکتی ہے اور ان کے بارے میں کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اور انہیں محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اِس لیے یہ لازم ٹھہرا کہ ان میں فرضی اور وہمی خطوط رکھے جائیں تاکہ وہ کسی حد تک سمجھ میں آسکیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء وصفات کی کوئی انتہا اور حقیقی حد نہیں ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جو ''انانیت'' کرتی ہے، کہ وہ اپنے دل میں ایک موہوم قسم کی ربوبیت، مالکیت، قدرت اور علم کا تصور پیدا کرلیتی ہے اور ایک حد کھینچ لیتی ہے اور اس کے ساتھ وہ ان صفات محیطہ کے لیے ایک وہمی حد قائم کرلیتی ہے اور ان میں امتیازات تقسیمات پیدا کرکے وہ _ بطورِ مثال _ کہتی ہے کہ: یہاں سے لے کر یہاں تک تو میرا ہے اور اس کے بعد جو ہے وہ ان صفات کا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ اُن چھوٹے سادہ سے میزانوں اور پیمانوں کے ساتھ آہستہ آہستہ ان صفات کی ماہیت کو سمجھنا شروع کردیتی ہے مثال کے طور پر وہ اپنی ملکیت کے دائرے میں اپنی موہوم ربوبیت کے ذریعے ممکنات کے دائرے میں اپنے خالق کی ربوبیت کو سمجھ لیتی ہے اور اپنی _ مثال کے طور پر _ ظاہری مالکیت کے ساتھ اپنے خالق کی حقیقی مالکیت سمجھ جاتی ہے اور کہتی ہے: جس طرح میں اس گھر کی مالک ہوں اسی طرح خالق اِس کون ومکاں کا مالک ہے۔ اور اپنے جزوی علم کے ذریعے وہ اپنے مالک کا علم سمجھ جاتی ہے، اور اپنی حقیری اکتسابی صنعت

کے ذریعے اُس صانعِ ذُوالجلال کی ابداعی صنعت کو سمجھ لیتی ہے، چنانچہ ـ مثال کے طور پر ـ وہ کہتی ہے: جس طرح میں نے اس گھر کو بنایا اور اسے منظم طریقے سے سجایا ہے، اِسی طرح کسی نے دنیا کے اس گھر کو بھی بنایا اور نظم وضبط سے سجایا ہے۔۔۔ وغیرہ

اور یُوں ''اَنا'' میں اسرار ورموز پر مشتمل ہزاروں ایسے حالات وصفات واحساسات مندرج ہیں جو کہ ـ کسی حد تک ـ تمام صفات وشئوونِ الٰہیہ کا اظہار کرتے اور اُن کے متعلق جانکاری دیتے ہیں۔۔۔ پس ''اَنا'' فی نفسہٖ کسی معنی کا حامل نہیں ہے بلکہ حرفی معنی کی طرح اپنے علاوہ کسی دوسری چیز میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرتی ہے، جیسے کہ ایک عکس ریز آئینہ ہو، وحدتِ قیاسی ہو، آلۂ انکشاف ہو اور حرفی معنی ہو، پس وہ انسانی وجود کی موٹی رسی کا ایک ڈورا ہے جس میں شعور پایا جاتا ہے۔۔۔ بشری ماہیت کے بُنے ہوئے کپڑے کا ایک باریک دھاگا ہے۔۔۔ آدمیت کی شخصیت کی کتاب کا ایک ''اَلف'' ہے، پس اس ''اَلف'' کے دو رُخ ہیں:

پہلا رُخ: خیر اور وجود کی طرف دیکھتا ہے اور وہ اس رُخ کی وجہ سے فیض قبول کرتا ہے اور صرف وہی چیز قبول کرتا ہے جو اُسے عطا کی جاتی ہے، اور اِس صورت میں وہ کوئی چیز ایجاد نہیں کرسکتا ہے، یعنی اس رُخ میں وہ فاعل نہیں بن سکتا ہے، اور اس کا ہاتھ کسی چیز کو ایجاد کرنے سے قاصر ہے۔۔۔

دوسرا رُخ: اس کا دوسرا رُخ شر کی طرف دیکھتا ہے اور عدم کی طرف جاتا ہے، اور اس صورت میں وہ فاعل اور صاحبِ فعل ہے۔۔۔ اور اس کی ماہیت حرفی ہے جو کہ اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتی ہے، اور اس کی ربوبیت خیالی ہے، اس کا وجود اتنا ضعیف اور رقیق ہے کہ فی نفسہٖ وہ کسی چیز کا قطعًا متحمل نہیں ہے اور نہ ہی اس پر بالذات کوئی چیز محمول کی جاسکتی ہے، بلکہ یہ تو صرف ایک قسم کا میزان ہے جو کہ واجبُ الوجود کی مطلق اور ہر چیز کو محیط صفات

کی وضاحت کرتا ہے، جیسے کہ میزان الحرارت، میزانُ الھواء اور دیگر موازین اشیاء کے درجات اوران کی مقداروں کو واضح کرتے ہیں۔۔۔

پس جو کوئی ''اَنا'' کی ماہیت کو اس پہلو سے پہچان جاتا ہے اور اُس پر یقین کر لیتا ہے اوراس کے تقاضے کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ کی بشارت میں داخل ہو جاتا ہے اور امانت کو کما حقہ ادا کرنا شروع کر دیتا ہے، اور ''اَنا'' کی عینک کے ساتھ کائنات کی حقیقت کو اور اُن وظائف کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے جنہیں یہ کائنات ادا کرتی ہے۔ جب آفاق سے نفس پر معلومات وارد ہوتی ہیں تو وہ ''اَنا'' میں وہ قوت پاتا ہے جو اُن معلومات کی تصدیق کرتی ہے، اور پھر یہ علوم نفس میں نور اور حکمت بن کر باقی رہتی ہیں اور تاریکی اور بے ہودگی میں تبدیل نہیں ہوتی ہیں۔۔۔ اور جب ''اَنا'' اس صورت میں اپنا وظیفہ پوری طرح ادا کر لیتی ہے تو اپنی وہمی ربوبیت اور فرضی مالکیت کے دعوے سے دستبردار ہو جاتی ہے جو کہ وحدتِ قیاسی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔اور ﴿لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَلَهُ الْحُكْمُ، وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ کہتا ہوا اپنی حقیقی عبودیت کا لباس پہن لیتی ہے اور ''احسنِ تقویم'' کے مرتبے پر فائز ہو جاتی ہے۔۔۔لیکن اگر ''اَنا'' اپنی پیدائش کی حکمت کو بھول جائے اور اپنی طرف حرفی معنی کی بجائے اسمی معنی سے دیکھنا شروع کر دے، اپنا فطری وظیفہ ترک کر دے اور اپنے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا شروع کر دے کہ میں مالک ہوں، تو امانت میں خیانت کرے گی اور ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ کے دائرے میں داخل ہو جائے گی۔۔۔ پس انانیت کی یہی جہت شرک و شر در و ضلالات کو جنم دیتی ہے۔ سماوات وارض و جبال جو بارِ امانت کو اُٹھانے سے ڈر گئے تھے اور فرضی شرک کے ارتکاب سے خوفزدہ ہو گئے تھے، وہ ''اَنا'' کی اِسی جہت کی وجہ سے تھا۔

جی ہاں! بے شک ''اَنا'' جو کہ ایک رقیق 'الف' دقیق دھاگا اور فرضی خط ہے۔۔۔ اگر

اس کی ماہیت کی پہچان نہ ہو پائے تو وہ خاک کے پردے میں نشوونما پاتی ہے اور تدریجاً بڑی اور مضبوط ہوتی جاتی ہے اور انسانی وجود کے تمام اَطراف میں پھیلتی جاتی ہے اور دھیرے دھیرے اژدھے کی طرح انسانی وجود کو ہڑپ کر لیتی ہے، اور پھر وہ انسان مکمل طور پر اپنے تمام لطائف ومشاعر واحساسات سمیت ''اَنا'' کا رُوپ دھار جاتی ہے، پھر نوع کی اَنانیت اِس انانیت کو نوعی اور قومی عصبیت کی جہت سے مضبوط کرتی ہے۔ پس یہ ''اَنا'' اُس نوعی اَنا پر اعتماد کرتی ہے اور نتیجتاً شیطان کی طرح صانعِ ذُوالجلال کے اوامر کے مقابلے میں آ جاتی ہے؛ پھر یہ ''قیاس بالنفس'' کی صورت میں ہر ایک کو بلکہ ہر چیز کو اپنے پر قیاس کرتی ہے، چنانچہ اللہ کی بادشاہی کو اُن لوگوں میں اور اسباب میں تقسیم کرتی ہے، نتیجتاً شرکِ عظیم میں گر جاتی ہے اور ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ کے مآل کا اِظہار کرتی ہے۔۔۔

جی ہاں! اگر ایک آدمی حکومت کے مال سے چالیس دینار چوری کرتا ہے تو وہ چوری اسے اسی صورت میں ہضم ہوسکتی ہے کہ اُس کے تمام رفقائے کار اُس کے حصہ دار بنیں، اِسی طرح جو آدمی یہ کہتا ہے کہ: میں اپنی ذات کا خود مالک ہوں، اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے اور کہے کہ: بے شک ہر چیز اپنی ذات کی خود مالک ہے۔ اور یوں ''اَنا'' اپنی اس خیانت کاروصنع میں جہلِ مطلق میں ہے، بلکہ وہ اَجہل ُالجُہلاء ہے اور جہلِ مرکب کی وادیوں میں ڈانواں ڈولِ سرگرداں ہے، اگر چہ ہزاروں علوم وفنون حاصل کر لے؛ کیونکہ اس کے حواس اور اُس کے اَفکار جب کون ومکاں کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے معرفت کے انوار کو دریافت کرتے اور ہاتھ میں لیتے ہیں تو وہ اپنی ذات میں ایسا کوئی مادہ نہیں پاتے جو اُن کی تصدیق کرے، انہیں منور کرے اور انہیں دوام آشنا کرے۔ بنا بریں، وہ تمام معارف بُجھ جاتے ہیں اور سراپا ظلمت بن جاتے ہیں، اور جو وارد ہوتا ہے نفس میں پائے جانے والے رنگوں میں رنگا جاتا ہے، چنانچہ اگر خالص حکمت وارد ہوتی ہے تو وہ اس کے نفس

میں عبثِ مطلق اور بیہودگی کا رُوپ دھار جاتی ہے؛ کیونکہ اس حالت میں ''اَنا'' کا رنگ شرک اور تعطیل ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کا انکار ہے بلکہ اگر تمام کائنات تابندہ آیات سے پھر جائے تو بھی ''اَنا'' میں پایا جانے والا تاریک نقطہ انہیں بجھا دے گا اور انہیں نظروں کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دے گا۔۔۔''گیارہویں مقالے'' میں انتہائی قطعی انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ: انسانی ماہیت اور اس ماہیت میں پائی جانے والی ''اَنانیت'' حرفی معنی کے لحاظ سے کائنات کا ایک انتہائی حساس میزان، بالکل درست اور مستقیم پیمانہ، ہمہ گیر فہرست، مکمل ترین نقشہ، جامع ترین آئینہ اور کائنات میں ایک خوبصورت ترین تقویم اور روز نامہ ہے، اس مقالے کی طرف رجوع کیا جائے۔۔ اُس مقالے میں پائی جانے والی تفصیل پر اکتفا کرتے ہوئے ہم یہاں مقدمے کا اختتام کرتے ہیں۔ پس اگر آپ مقدمے کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں تو آئیں اب حقیقت کی گہرائیوں میں اُترتے ہیں۔۔۔

بے شک تاریخِ بشریت میں ــ زمانہء آدم سے لے کر تا این دم ــ دو بڑے دھارے اور افکار کے دو سلسلے چلے آ رہے ہیں، یہ دونوں دھارے یا سلسلے دو ضخیم تناور درختوں کا حکم رکھتے ہیں جنہوں نے اپنی شاخیں اور برگ و بار ہر جہت میں اور ہر طبقۂ انسانی میں پھیلا رکھے ہیں۔ ان میں سے:

ایک تو نبوت اور دین کا سلسلہ ہے

اور دوسرا فلسفہ وحکمت کا سلسلہ ہے

پس جب یہ اکٹھے اور باہم آمیختہ ہوں ــ یعنی جب بھی کبھی فلسفہ کا سلسلہ دین کے سلسلے کے دامن میں پناہ لیتا ہے اور اس کی اطاعت اور خدمت کرتا ہے ــ عالم انسانیت سعادت سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور ایک تابناک صورت میں اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے۔۔۔ اور جب دونوں اختلاف کے ساتھ چلیں اور علیحدہ علیحدہ رہیں تو خیر اور نورِ نبوت اور دین کے سلسلے

کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور شر وضلالت فلسفے کے اردگرد۔۔۔اور اب ہمیں ان دونوں سلسلوں کے سرچشمے اور بنیاد کا سراغ لگانا چاہیے:-

پس دین کے نافرمان فلسفے کے سلسلے کا سرچشمہ ـ کہ جس نے شجرۂ زقّوم کی شکل صورت اختیار کی ہوئی ہے اور جو اپنے اردگرد شرک وضلالت کی تاریکیاں پھیلا رہا ہے، حتی کہ اُس نے قوتِ عقلیہ کی شاخ میں انسانی عقل کے ہاتھ میں دہریوں، نیچریوں اور مادہ پرستوں کے ثمرات تھما دیئے ہیں۔۔۔اور قوتِ غضبیہ کی شاخ میں انسانی سر پر نمرودوں، فرعونوں اور شدّادوں کے ثمرات لا دیے ہیں۔۔۔(۱)

اور قوتِ شہویہ بہیمیہ کی شاخ میں معبودوں، بتوں اور خدائی دعوے داروں کے ثمرات لگا دیے ہیں۔

اور اس شجرۂ زقوم کے پہلو بہ پہلو اللہ کی عبودیت کا شجرۂ طوبیٰ ہے یہ نبوت کا سلسلہ ہے، جس نے قوتِ عقلیہ کی مبارک شاخوں پر کرۂ ارض کے اِس باغ میں انبیاء ومرسلین اور اَولیاء وصدیقین کے پکے ہوئے میٹھے ثمرات پیدا کئے ہیں اور ان ثمرات کو نوعِ انسانی کی دسترس میں دے دیا ہے۔۔۔اور اس کے ساتھ ساتھ اس شجرۂ طوبیٰ نے قوتِ دافعہ کی شاخ میں عدل گستر حکمرانوں اور فرشتوں جیسے بادشاہوں کے ثمرات پیدا کئے ہیں اور قوتِ جاذبہ کی شاخ میں حسن سیرت، عفت مآب جمالِ صورت، جود وسخا اور کرم وعطا کے مشاہیر کے ثمرات لگائے ہیں۔۔۔اور اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ انسان ہی کون ومکاں کے اس درخت

(۱) جی ہاں! جس چیز نے نمرودوں اور فرعونوں کو جنم دیا اور اُن کی ماں بن کر انہیں دودھ پلایا، وہ قدیم مصر اور بابل کا فلسفہ ہی تو تھا، وہ قدیم فلسفہ جو جادو کے درجے تک جا پہنچا تھا، یا کم از کم اس ایک خصوصی گروہ میں منحصر ہونے کی وجہ سے اسے جادو سمجھ لیا گیا تھا۔ جیسے کہ جس چیز نے قدیم یونانی عقلوں میں خداؤں کو جگہ دی اور بتوں کو جنم دیا وہ طبعی فلسفہ کی کیچڑ ہی تھی۔۔۔وہ انسان جو طبیعت کے حجاب کی وجہ سے اللہ کے نور کا مشاہدہ نہ کر سکے، وہ ہر چیز کو الوہیت کا درجہ دے دے گا اور اسے اپنے سر پر سوار کر لے گا۔۔۔مؤلف۔

کا کامل ترین پھل ہو سکتا ہے۔

اور یوں اِس شجرۂ مبارکہ اور شجرۂ خبیثہ دونوں کا سرچشمہ ''اَنا'' کی دو جہتیں ہیں۔۔۔ پس ہم ذیل میں بتائیں گے کہ ''اَنا'' جو کہ ان دونوں درختوں کا دارومدار اور بنیادی بیج ہے اس کی دونوں جہتیں ان دونوں سلسلوں کا سرچشمہ بن گئی ہیں، اور وہ اِس طرح کہ:

نبوت ''اَنا'' کا ایک پہلو پکڑتی ہے تو جاتی ہے

اور فلسفہ ''اَنا'' کا دوسرا پہلو پکڑتا ہے تو آتا ہے

پس پہلا پہلو جو کہ نبوت کا پہلو ہے، خالص عبودیت کا سرچشمہ ہے، یعنی بے شک ''اَنا'' یہ بات جانتا پہچانتا ہے کہ وہ عبد ہے، اپنے علاوہ کسی اور کا خدمت گزار اور اطاعت شعار ہے، اور یہ بات بھی سمجھتا ہے کہ اُس کی ماہیت ''حرفی'' ہے، یعنی وہ کسی اور کے معنی پر مشتمل ہے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا وجود تبعی ہے، یعنی کہ اس کا وجود کسی دوسرے کے وجود کے سہارے قائم اور کسی کے ایجاد کرنے سے موجود ہے۔۔۔ اور یہ کہ اُس کی مالکیت وہمی ہے، یعنی کہ وہ جانتا ہے کہ اُس کی مالکیت وقتی ہے، ظاہری صورت میں اور اس کے مالک کی اجازت سے قائم ہے، اور یہ کہ اُس کی حقیقت ظلّی ہے، یعنی وہ ایک ممکن اور مسکین سا سایہ ہے جو ایک واجب اور برحق حقیقت کے جلوے کا حامل ہے۔ رہا اُس کا وظیفہ، تو وہ یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی شعوری طور پر کامل خدمت واطاعت کرتا رہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے خالق کی صفات اور حالات وکیفیات کا پیمانہ اور میزان ہے۔۔۔

پس انبیاء نے اور انبیاء کے سلسلے کے اَصفیاء واَولیاء نے ''اَنا'' کی طرف اس نظر سے دیکھا ہے، اور اس کا اسی طرح مشاہدہ کیا ہے، چنانچہ وہ حقیقت کو سمجھ گئے اور اُنھوں نے بادشاہت کو مکمل طور پر مالکُ الملک کے سپرد کر دیا، اور فیصلہ کیا کہ اُس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں ہے، نہ اُس کی بادشاہت میں، نہ اس کی ربوبیت میں اور نہ اس کی اُلوہیت میں، اور

نہ وہ کسی معین اور وزیر کا محتاج ہے، اور اُس کے ہاتھ میں ہر چیز کی چابی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے، اور یہ کہ اسباب ظاہری پردہ ہیں، اور یہ کہ نیچر اس کی فطری شریعت، اس کے قوانین کا مجموعہ اور اس کی قدرت کی نشاندہی کرنے کا پیمانہ ہے۔۔۔

پس اس چمکدار، خوبصورت اور تابناک پہلو نے ایک مغزدار اور زندگی سے بھرپور گٹھلی کا حکم لے لیا ہے، جس سے خالقِ ذُوالجلال نے عبودیت کا وہ شجرۂ طُوبیٰ پیدا کیا، جس کی مبارک شاخیں اپنے نورانی ثمرات کے ساتھ مزین ہو کر عالمِ بشریت کی ہر سمت میں پھیلی ہوئی ہیں، جس نے ماضی کے تمام زمانوں میں تاریکیوں کو پراگندہ کیا اور بتایا کہ وہ ماضی کا طویل زمانہ بہت بڑی قبر اور عدمستان نہیں ہے جیسے کہ فلسفے کی رائے ہے، بلکہ وہ غروب ہو جانے والی روحوں کے لیے انوار کا دارومدار اور مختلف اور متفاوت پائے دانوں والی تابناک سیڑھی ہے، تاکہ وہ روشن مستقبل اور ابدی سعادت کی طرف منتقل ہو سکیں، اور وہ روشنی کا دیس اور اُن روحوں کا درخشندہ باغ ہے جو اپنے بھاری بوجھ اتار کر آزاد ہو گئی ہیں اور دنیا سے کوچ کر گئی ہیں۔۔۔

رہا دُوسرا پہلو، تو اُسے فلسفے نے پکڑا ہوا ہے، اور فلسفہ: ''أنا'' کی طرف اِسمی معنیٰ کی حیثیت سے دیکھتا ہے، یعنی فلسفہ کہتا ہے کہ: ''أنا'' اپنی ذات پر بذاتِ خود دلالت کرتی ہے۔۔۔ اور اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ ''أنا'' کا معنیٰ خود اُس کی ذات میں ہے اور وہ خود اپنی ذات کے بل پر اور اپنی ذات کے لیے عمل کرتی ہے۔۔۔ اور وہ یہ مانتا ہے کہ اُس کا وجود اصلی اور ذاتی ہے۔۔۔ یعنی کہ وہ کہتا ہے کہ: اُس کا اپنی ذات میں خود ذاتی وجود ہے۔۔۔ اور اس زعم میں مُبتلا ہے کہ: اسے زندگی کا حق ہے، اور یہ کہ وہ اپنے دائرۂ تصرف میں حقیقی مالک ہے، اور وہ اُسے ایک حقیقت ثابتہ سمجھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا وظیفہ وہ ذاتی تکمیل ہے جو کہ اُس کی اپنی ذات کی محبت سے پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے۔۔۔

اور یوں انہوں نے اپنے مسلک کی عمارت بہت سی فاسد بنیادوں پر رکھی ہوئی ہے۔۔۔اور ہم نے اپنے تمام رسائل میں، اور خاص کر مقالات میں، اور خصوصی طور پر بارہویں اور پچیسویں مقالے میں یہ بات قطعی صورت میں ثابت کی ہے کہ یہ تمام بنیادیں فاسد بے اساس اور کھوکھلی ہیں۔۔۔

حتیٰ کہ فلسفے کے اِس سلسلے کے سرکردہ، ذہین، چالاک اور باکمال لوگ جو ہیں جیسے کہ افلاطون اور اَرسطو، ابن سینا اور فارابی وغیرہ، اُنہوں نے تو ایک فرعونی حکم صادر کر دیا ہے، اور وہ یہ کہ: انسانیت کی غایتُ الغایات یہ ہے کہ وہ ''تشبُّہ بالواجب'' یعنی واجبُ الوجود کے ساتھ مشابہت اختیار کر لے اور یُوں اُن لوگوں نے ''اَنانیت'' کو مہمیز لگا کر اُسے برانگیختہ کر دیا ہے تا کہ وہ بے لگام ہو کر شرک وضلالت کی وادیوں میں بھاگتی پھرے۔اور اس طرح اُنہوں نے بت پرستوں، اسباب پرستوں، نیچر پرستوں اور ستارہ پرستوں جیسے بہت سے گروہوں کے لیے انواع واقسام کے شرک کا میدان ہموار کر دیا اور انسانیت کی فطرت میں مندرج عجز وضعف وفقر واحتیاج اور نقص وقصور کے دروازوں کو بند کر کے عبودیت کے راستے مسدود کر دیے اور نیچر کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ چنانچہ وہ نہ تو شرک سے مکمل طور پر نکل سکے اور نہ شکر کے وسیع دروازے کا راستہ پا سکے۔۔۔

لیکن نبوت نے عبُودیت کی رُو سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انسانیت کی غرض وغایت اور بشریت کا وظیفہ ہے: ''تخلُّق بالأ خلاقِ الالٰھیة''، یعنی صفاتِ حمیدہ اور اوصافِ عالیہ کو اپنانا کہ اُسے اپنے عجز کا علم ہو جائے تو وہ قدرتِ اِلٰہیہ کے دامن میں پناہ لے، اور یہ کہ اُسے اپنا ضعف نظر آ جائے تو وہ قوت الٰہیہ کا سہارا لے، اور یہ کہ اُسے اپنا فقر نظر آ جائے تو وہ رحمتِ اِلٰہیہ پر اعتماد کر لے، اور یہ کہ اُسے اپنا احتیاج نظر آ جائے تو وہ غناءِ الٰہی کی مدد مانگے، اور یہ کہ اُسے اپنی تقصیر نظر آ جائے تو وہ استغفار کرے اور عفوِ الٰہی کا طلب گار بن جائے، اور یہ کہ

وہ اپنی کمی کوتاہی کو دیکھ لے تو کمالِ الٰہی کی تسبیح و تقدیس میں مگن ہو جائے یعنی اس کے کمال کو کسی بھی کمی کوتاہی سے پاک گردانے۔۔۔

نافرمان فلسفہ چونکہ صحیح راستے سے گمراہ ہو کر بہت دُور جا پڑا ہے اس لیے ''أنا'' نے اپنی زمام خود اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہر قسم کی گمراہی کی طرف ایڑھ لگا دی ہے۔ اِس طرح اُس دوسرے پہلو میں شجرۂ زقوم نے جنم لیا اور نشو و نما پا کر ''أنا'' کے سر پر پھیلتا گیا اور اس طرح عالمِ انسانیت کے نصف سے زیادہ حصے پر غالب آ گیا۔ رہے وہ ثمرات جو کہ اِس درخت نے ناپاک حیوانی خواہش کی قُوت کی شاخ میں لگا کر انسانی آنکھوں کو دیے ہیں، تو وہ ہیں اصنام و آلہہ؛ کیونکہ فلسفہ بُنیادی طور پر قوت کو سراہتا اور اچھا سمجھتا ہے، اس حد تک کہ اُنہوں نے اپنے اِس قول ''العکم للغالب'' کو اپنے مِن جُملہ دساتیر میں سے ایک دستور بنا لیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: بے شک غالب اور زور آور میں قوّت ہے اور قوت میں حق ہے۔(۱) اور اس طرح وہ معنوی طور پر ظلم و عدوان کے خوگر بن گئے، انہوں نے ظالموں کی حوصلہ افزائی کی اور جابروں ستمگاروں اور جفا کاروں کو دعوائے اُلوہیت پر اُبھارا۔

پھر مصنوعات میں جو حُسن اور اُن کے نقوش میں جو جمال پایا جاتا ہے، فلسفہ اُس حسن و جمال کا مالک خود ان مخلوقات کو ٹھہراتا ہے اور یہ بات بھول ہی جاتا ہے کہ اس حسن و جمال کی نسبت تو اس مجرّد اور مقدس جمال کے مالک خلاّق و نقاش کی جلوہ گری کی طرف ہونی چاہیے، چنانچہ وہ یہ تو کہتا ہے کہ: ''یہ چیز کس قدر خوبصورت ہے!'' لیکن یہ نہیں کہتا کہ: ''اِس چیز کی تخلیق کتنی خوبصورت ہے!'' اور اس طرح وہ اُس حسن و جمال کو ایک قابلِ پرستش صنم کا درجہ دے دیتا ہے! اور اسی طرح وہ بناوٹی، اور ریاکارانہ ظاہری حسن و جمال کی داد دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے ریاکاروں کے لیے تالیاں پیٹیں ہیں اور بُتوں جیسی

(۱) لیکن نبوت کا دستور کہتا ہے: بے شک قوت حق میں ہے، اور یہ کہ قوت میں حق نہیں۔ اور یُوں وہ ظلم کا قلع قمع کرتا اور عدل کو امن و اطمینان دیتا ہے۔۔۔ مؤلف۔

چیزوں کو اُن بتوں کے پرستاروں کا پرستار بنادیا ہے(۱) اور اِس شجرۂ زقوم نے بشر کے سر پر قوّتِ غضبیہ کی ٹہنی میں چھوٹے بڑے نمرودوں، فرعونوں اور شدادوں کے ثمرات پکائے ہیں۔۔۔ اور قوتِ عقلیہ کی ٹہنی میں اِس نے عالمِ انسانیت کے دماغ کے لیے دہری، مادہ پرست اور نیچر پرست قسم کے پھل لگائے ہیں اور اس طرح اُس نے انسانی دماغ کے ہزار ٹکڑے کردیے ہیں۔۔۔

اور اب ہم اس حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے تین یا چار مثالیں دے کر سلسلہ نبوت کی سچی بنیادوں سے جنم لینے والے نتائج اور مسلکِ فلسفہ کی فاسد بنیادوں سے جنم لینے والے نتائج کے مابین بطور مثال ہزاروں میں سے چند موازنے منعقد کرتے ہیں۔۔۔

پہلی مثال

انسان کی شخصی زندگی کے بارے میں نبوت کے دستوری نتائج میں سے ایک دستور ''تخلّق بأخلاق اللہ'' ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: الٰہی اخلاق کے ساتھ متصف ہو جاؤ۔ جناب حق کی طرف پوری ذلت و انکساری کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ اور اپنے عجز و فقر اور اپنی کمی کوتاہی کو پہچان جاؤ اور اس طرح اس کے دروازے کے پرستار بن جاؤ۔۔۔ اب ایک طرف تو نبوت کا یہ دستور ہے، اور دوسری طرف فلسفہ کا ریاکارانہ دستور ہے کہ: ''واجبُ الوجود کے مشابہ ہونے کی کوشش کرو'' اس قاعدے کی رُو سے کہ: ''تشبّہ بالواجب انسانی کمال کی انتہا ہے''۔۔۔ اب فلسفے کے اس دستور کا نبوت کے دستور کے ساتھ کیا جوڑ ہے؟ جی ہاں، انسانی ماہیت جو کہ بے انتہا عجز، ضعف و فقر و احتیاج کے ساتھ گوندھی گئی ہے، اس کا بے انتہا قدیر و قوی و غنی و مستغنی واجبُ الوجود کی ماہیت کے ساتھ کیا مقابلہ ہے؟۔۔۔

---

(۱) یعنی یہ بتوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے لوگ اپنے شیفتگان کی توجہ حاصل کرنے اور ان کی خواہشوں اور چاہتوں پر پورا اُترنے کے لیے ان کے سامنے ایسی وضع قطع کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ پرستش کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور یوں وہ اپنی ان ریاکارانہ اداؤں سے بیک وقت عابد بھی بن جاتے ہیں اور معبود بھی۔۔ مؤلف۔

دوسری مثال

اجتماعی زندگی کے بارے میں دستورِ نبوت کے نتائج سے جنم لینے والا ایک ثابت شدہ دستور ''تعاون'' ہے، جو کہ کون و مکاں میں شمس و قمر سے لے کر نباتات و حیوانات تک جاری و ساری ہے، چنانچہ نباتات حیوانات کی مدد کرتی ہیں اور حیوانات انسان کی بلکہ کھانے کے ذرات جسم کے خلیوں کی مدد اور تعاون کرتے ہیں۔

اب یہ جو تعاون کا اُستوار دستور، کرم کا یہ قانون اور اکرام کا جو ضابطہ ہے اُس کے مقابلے میں فلسفے کے اُس ''کشمکش'' والے دستور کی کیا حیثیت ہے جو کہ حیات اجتماعیہ میں کام کر رہا ہے اور جو کہ صرف کچھ ظالم، ستمگر وحشی درندوں کے سوءِ استعمال سے پروان چڑھا ہے؟ کیونکہ سوءِ استعمال اُن کی فطرت ہے۔ جی ہاں، فلاسفہ نے ''کشمکش'' کے اس دستور کو اَساسی اور کُلی حیثیت سے قبول کر لیا ہے اور اُسے تمام موجودات پر حکمران مان لیا ہے، اور انتہائی بیوقوفی سے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ: ''بے شک زندگی نام ہی کشمکش کا ہے''۔۔۔

تیسری مثال

توحید کے بارے میں نبوت کے جو اعلیٰ ترین دساتیر و قواعد ہیں اُن میں سے ایک دستور یہ ہے کہ: الواحد لا یصدر الا عن الواحد ''واحد کا صدور صرف واحد سے ہوتا ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جو کہ وحدت پر مشتمل ہے وہ صرف الواحد سے ہی صادر ہوتی ہے۔ اب چونکہ ہر شے میں اور تمام اَشیاء میں وحدت پائی جاتی ہے اس لیے یہ ایک ذاتِ واحد کی اِیجاد ہے۔۔۔ جبکہ شرک و ضلالت سے آلودہ قدیم فلسفے کا ایک اعتقادی دستور یہ ہے کہ: اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْهُ اِلَّا الْوَاحِدُ ''ذاتِ واحد سے ذاتی طور پر صرف ایک ہی شے کا صدور ہو سکتا ہے''، اور باقی تمام اشیاء اُس سے وسائط کے توسط سے صادر ہوتی ہیں قدیم فلسفے کا یہ قاعدہ ہر شے سے غنیِ مطلق اور قدیرِ مطلق ذات کو عاجز اور وسائط کا

محتاج ظاہر کرتا ہے اور تمام اسباب ووسائط کو ربوبیت میں شریک کرتا ہے اور یوں اُس نے خالقِ ذُوالجلال کو ایک مخلوق ''عقلِ اول'' کا نام دے دیا ہے اور اُس کی تمام بادشاہی کو اسباب ووسائط میں تقسیم کردیا ہے اور یوں شرکِ عظیم کے لیے راستہ کھول دیا ہے۔

اب اس قدیم اور بیمار اور شرک وضلالت سے آلودہ فلسفے کی اِس قاعدے سے نکلے ہوئے نبوت کے توحیدی دستور کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟

پس جب اشراقیین جو کہ حکماء کا بلندترین طبقہ ہیں، معاملے کو اس طرح سے خلط ملط کر دیتے ہیں تو پھر اس بات کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں کہ حکماء مادیین اور حکماء طبیعین جیسے چھوٹے طبقے کے حکماء وفلاسفہ کا کیا حال ہوگا؟۔۔۔

چوتھی مثال

نبوت کے جو حکمت بھرے دساتیر ہیں، اُن میں سے ایک دستور یہ ہے کہ: ہر چیز اور ہر ذی حیات کا وہ نتیجہ اور اس کی وہ حکمت جو اُس کی طرف لوٹ رہی ہے، ایک ہی ہے، تو پھر اُس کے وہ نتائج جو کہ اس کے صانع کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کی وہ حکمتیں جو اُس کے فاطر کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں، ہزاروں کے حساب سے ہیں اور ہر چیز کے بلکہ صرف ایک پھل کی اتنی زیادہ حکمتیں اور اتنے زیادہ نتائج ہیں جتنے کہ ایک درخت کے پھل ہیں اور یہ راز ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی سے ملتا ہے: ﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ لیکن جھوٹ سے مزین اور حکمت سے خالی فلسفہ وحکمت کا دستور یہ ہے کہ: ''ہر ذی حیات کا نتیجہ خود اُس کی اپنی طرف یا انسان کے منافع ومصالح کی طرف لوٹتا ہے'' اور یہ قاعدہ موجودات سے اُن کی بہت سی حکمتیں چھین لیتا ہے، اور وہ عبث اور بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہیں، جیسے کہ رائی کے دانے جیسے ایک پھل یا نتیجے کو ایک پہاڑ جیسے ضخیم درخت پر لٹکا دینا۔۔۔ اب اس مبنی بر حقیقت نبوی حکمت کے دستور اور فلسفے کے اس حکمت سے

فارغ اور فاسد قاعدے کے درمیان کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟۔

اس حقیقت کو چونکہ دسویں مقالے کی دسویں حقیقت میں ایک حد تک وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے اس لیے یہاں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔۔۔

اور آپ ان چار مثالوں پر دیگر ہزاروں مثالوں کو قیاس کر سکتے ہیں۔۔۔ہم نے اپنے ''لمعات'' نامی رسالے میں ان مثالوں کی ایک قسم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔۔۔(۱) یاد رہے کہ اس مبنی بر فساد فلسفے اور اس کے ان مُہلک نتائج ہی کی بنا پر ابن سینا اور فارابی جیسے ذہین ترین اسلامی فلاسفر ایمان کے صرف اسی درجے پر فائز ہو سکے جس سے ایک عام مومن بہرہ ور ہے، کیونکہ وہ فلسفے کی ظاہری چکا چوند سے متأثر ہو گئے اور اس مسلک سے دھوکا کھا گئے اور اُس کے گرویدہ ہو گئے ،حتی کہ حُجّتُ الاسلام امام غزالی جیسے لوگوں نے تو انہیں ایمان کا یہ درجہ بھی نہیں دیا ہے۔۔۔

اسی طرح ائمۂ معتزلہ جو کہ متبحر متکلمین ہیں، وہ بھی چونکہ فلسفے کی اس ظاہری زیب و زینت پر فریفتہ ہیں اور عقل کو حاکم ماننے کی وجہ سے اس مسلک کے قریب تر ہیں؛ وہ بھی ایمان کے اس درجے سے اوپر نہیں جا سکے جو کہ ایک فاسق اور مبتدع مومن کا ہے۔۔۔

اسی طرح ابو العلاء معری جیسے بدفال اور عمر خیام جیسے یتیمانہ آہ وفغان کرنے والے مشہور اِسلامی ادباء نے اہلِ کمال وحقیقت کی طرف سے تحقیر وتکفیر کا تأدیبی طمانچہ کھایا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ نفسِ امارہ کو برانگیختہ کرنے والے اِس فلسفے پر دل وجان سے فریفتہ تھے، چنانچہ اہلِ حقیقت نے انہیں تادیبی لطمہ رسید کرتے ہوئے کہا: ''تم لوگ سوءِ ادب کا ارتکاب کر رہے ہو، زندیقیت کے راستے پر لگے ہوئے ہو اور اپنی گود میں زندیقوں کی

(۱) ''لمعات'' یا ''لوامع'' نامی اس کتاب کے بارے میں اُستاد نورسی نے اس کی نوک پلک سنوارنے کے بعد اپنے قریبی شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ اسے مقالات یا کلمات کے آخر میں بطور ضمیمہ لگا کر طبع کرا دیا جائے۔ چنانچہ اب یہ کتاب ضمیمے کے طور پر مقالات کا حصہ ہے اور طلاب نور کے شعری دیوان کے نام سے بھی معروف ہے۔ مترجم۔

تربیت کر رہے ہو"۔۔۔

اسی طرح اس فلسفے کے مسلک کی فاسد بنیادوں میں سے ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ:
"اَنا" اپنی طرف اس فلسفہ کی مشئوم نظر کے ساتھ اسمی معنی کی حیثیت سے دیکھتی ہے، حالانکہ ذاتی طور پر اس کی ماہیت ہوا کی طرح کمزور سی ہے، گویا کہ بخارات کے ساتھ مشابہت رکھنے والی یہ "اَنا" مائع بن جاتی ہے، اور پھر گویا کہ وہ مادیات کے ساتھ مانوس ہونے اور ان میں گُھسے رہنے کی وجہ سے ٹھوس ہو جاتی ہے، اور پھر غفلت اور انکار کے ہاتھوں یہ "اَنانیت" جامد ہو جاتی ہے، پھر عصیاں کاری کی وجہ سے یہ گدلی ہو جاتی ہے اور اپنی شفافیت کھو دیتی ہے، پھر تدریجاً گاڑھی ہوتی جاتی ہے حتی کہ صاحبِ "اَنا" کو نگل لیتی ہے۔ پھر اسی حد تک نہیں ٹھہرتی ہے بلکہ انسانی افکار کے بل پر پھلتی پھولتی اور وسیع ہوتی جاتی ہے اور پھر تمام لوگوں کو حتی کہ اسباب کو اپنی انانیت اور اپنے آپ پر قیاس کرتی ہے اور انہیں ـــ اُن کے انکار کرنے کے باوجود ـــ فرعونیت عطا کر دیتی ہے۔ پس یہاں پہنچ کر وہ خالقِ ذُوالجلال کے اوامر کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑی ہو جاتی ہے اور گویا کہ متحدّیانہ انداز میں کہتی ہے: ﴿مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾؟ اور اپنے اس انداز سے وہ قادرِ مطلق پر عاجزی کی تہمت رکھتی ہے، حتی کہ وہ خالقِ ذُوالجلال کے اوصاف میں مداخلت کرتی ہے۔

اور یوں وہ یا تو اس چیز کو رد کر دیتی ہے جو اس کے موافق نہ ہو اور جسے نفسِ امارہ کی فرعونیت پسند نہ کرتی ہو، یا اس کا انکار کر دیتی ہے، اور یا پھر اُس میں تحریف کر دیتی ہے۔۔۔

مثال کے طور پر:

فلاسفہ کے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کو "الموجب بالذات" کا نام دیا ہے، اور اس بنا پر پوری کائنات کی گواہی کو جھٹلاتے ہوئے اُس کے اختیار کی نفی کر دی ہے، سبحان اللہ! اس کائنات میں ذرّے سے لے کر سورج تک تمام کی تمام موجودات اپنے تعیّنات ،

انتظامات، حکمتوں، میزانوں اور پیمانوں کے ساتھ صانع کے اختیار پر واضح دلالت کرتی ہیں، لیکن فلسفے کی اندھی آنکھ اسے دیکھ ہی نہیں پا رہی ہے!۔۔۔

اور اسی طرح فلاسفہ کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ:

علمِ الٰہی جزئیات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا ہے، اور یوں انہوں نے علم الٰہی کے اِحاطے اور ہمہ گیری کی نفی کر دی، اور اُن سچی گواہیوں کو ردّ کر دیا جو اُس کے ہمہ گیر علم پر یہ تمام کی تمام موجودات دے رہی ہیں۔۔۔

پھر یہ بھی ہے کہ فلسفہ اسباب کو تأثیر کا مالک بناتا ہے اور نیچر کے ہاتھ میں ایجاد کی باگ ڈور تھما دیتا ہے اور ہر چیز پر ہر چیز کے خالق کا جو خصوصی سِکہ جگمگا رہا ہے وہ اسے دیکھتا ہی نہیں ہے، چنانچہ وہ ہزاروں حکمتوں پر مشتمل موجودات کی ایک قسم کی تخلیق کا منبع ومصدر اُس عاجز، جامد لاشعور اور اندھی نیچر کو قرار دیتا ہے اور اسے اُن موجودات کا مالک بنا دیتا ہے، وہ نیچر کہ جس کے دونوں ہاتھ اندھے تصادف اور کانی قوت کے ہاتھوں میں ہیں، جبکہ یہ موجودات صمدانی مکتوبات کا حکم رکھتی ہیں۔ جیسے کہ بیسویں مقالے میں قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے۔۔۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ فلسفہ آخرت اور حشر کے اُس دروازے کی طرف راہ نہیں پا سکا، جس کو حق تعالیٰ نے اپنے تمام اَسماء کے ساتھ، کائنات نے اپنے تمام حقائق کے ساتھ اور سلسلۂ نبوت نے اپنی تمام تحقیقات کے ساتھ اور آسمانی کتابوں نے اپنی تمام آیات کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ جیسے کہ دسویں مقالے میں ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ فلاسفہ نے حشر کا انکار کر دیا اور روحوں کے لیے ایک قسم کی ازلیت کا اثبات کر دیا۔۔۔

پس آپ ان فلاسفہ کے تمام مسائل کو اِن خرافات پر قیاس کر سکتے ہیں۔۔۔

جی ہاں! ایسے لگتا ہے جیسے شیاطین نے اِن مُلحد فلاسفہ کی عقلوں کو ''اَنا'' کی چونچ اور

پنجے سے اُچک لیا ہے اور انہیں اُونچی فضا میں لے جاکر گمراہی کی وادیوں میں پٹخ کر پارہ پارہ کردیا ہے۔۔۔

پس یاد رکھو کہ ''اَنا'' کی حیثیت اس عالمِ صغیر _ انسان _ میں وہی ہے جو کہ عالمِ کبیر _ کائنات _ میں نیچر کی ہے، دونوں ہی طاغوت ہیں: ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾۔۔۔

میں نے ''اللّمعات'' میں خیالی سیاحت کی صورت میں نظم سے ملتے جلتے انداز میں جو ایک مثالی واقعہ لکھا ہے وہ اِس حقیقت پر کافی حد تک روشنی ڈالتا ہے، موقع کی مناسبت سے اُس کا معنی و مفہوم یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ واقعہ اس رسالے کی تألیف سے آٹھ سال پہلے استانبول میں رمضان شریف کے مہینے میں اُس وقت پیش آیا تھا جبکہ فلسفے کا دلدادہ ''سعید قدیم'' ''سعید جدید'' کی طرف منقلب ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں اُن دنوں اُن تین مسلکوں کے بارے میں غور و فکر کیا کرتا تھا جن کی طرف سورت فاتحہ اپنی ان آخری آیات میں اشارہ کرتی ہے: ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾۔ پس میں نے ایک خیالی واقعہ اور خواب سے ملتا جلتا ایک مثالی حادثہ دیکھا۔۔۔ میں نے خود کو دیکھا کہ ایک بہت بڑے لق و دق صحرا میں ہوں، تمام آسمان پر اس طرح کے تاریک اور گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں کہ جن سے تمام زمین پر سانس گھٹ رہا ہے، نہ ہوا ہے، نہ روشنی نہ پانی، اِن میں سے کسی چیز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر مجھے یہ وہم ہوا کہ وہاں کا چپہ چپہ درندوں اور دیگر نقصان دہ جنگلی جانوروں سے بھرا پڑا ہے، پھر دوسرے ہی لمحے میرے دل میں یہ بات آئی کہ: اس صحراء کی دوسری جانب روشنی، ہوا اور پانی موجود ہے اس لیے اُدھر جانا چاہیے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مجھے اُدھر زبردستی ہانک

کر لے جایا جا رہا ہے۔تب میں سرنگ سے ملتی جلتی ایک زمین دوز غار میں داخل ہو گیا اور زمین کے اندر ہی اندر آہستہ آہستہ چلتا پھرتا رہا۔ پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ: اس زمین دوز سرنگ میں مجھ سے پہلے بھی کئی لوگ چل پھر چکے ہیں لیکن سفر مکمل نہیں کر سکے ہیں، اُن کا سانس گھٹ گیا تھا، مجھے وہ سب اِدھر اُدھر بکھرے نظر آرہے تھے، میں اُن کے قدموں کے آثار واضح طور پر دیکھ رہا تھا، اُن میں کچھ کی تو آوازیں بھی کچھ دیر تک سنائی دیتی تھیں۔۔۔ پھر کٹ جاتی تھیں۔۔۔

پس اے میری اس خیالی سیاحت میں اپنے خیال کے ساتھ شریک ہونے والے میرے رفیقِ سفر! وہ زمین ''طبیعت''، یعنی نیچر اور ''فلسفۂ طبیعہ'' ہے۔سرنگ وہ مسلک ہے جس پر اہلِ فلسفہ اپنے افکار کے ساتھ حقیقت کی راہ کھولنے کے لیے چلے ہیں۔اور جو قدموں کے آثار میں نے دیکھے ہیں وہ افلاطون اور ارسطو جیسے مشاہیر کے ہیں (۱) اور وہ آوازیں جو میں نے سنی ہیں وہ ابن سینا اور فارابی جیسے زِیرک دانشوروں کی ہیں۔ جی ہاں، میں بعض جگہوں میں ابن سینا کے بعض اقوال اور قوانین دیکھتا تھا، لیکن پھر وہ کلیتاً منقطع ہو جاتے تھے، یعنی آگے نہیں بڑھ سکے، مطلب یہ کہ وہ غرق ہو گئے۔۔۔ بہر کیف میں نے تحت الخیال پائی جانے والی حقیقت کا ایک زاویہ ظاہر کر دیا ہے تاکہ تمہاری شیفتگی و وارفتگی میں کچھ تخفیف کر دوں۔۔۔

---

(۱) اگر تم یہ کہو کہ: تُو چیز کیا ہے جو ان مشاہیر کے مقابلے میں میدان میں اُتر رہا ہے؟ ایک مکھی ہو کر شاہینوں کی پرواز میں دخل اندازی کر رہا ہے۔۔۔

تو اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ: میرا ازلی استاد چونکہ قرآن کریم ہے، اس لیے میں حقیقت و معرفت کے راستے میں اُن شاہینوں کی مکھی کے پر کے برابر بھی پرواز نہیں کرتا ہوں جو کہ گمراہی سے اُٹے ہوئے فلسفے اور اوہام سے ملوث عقل کے شاگرد ہیں۔ میرا درجہ ان لوگوں سے کتنا بھی نیچے کیوں نہ ہو، اُن کا استاد میرے استاد سے بہر کیف ہزار درجے نیچے ہے؛ کیونکہ مادہ جس کی کیچڑ میں وہ سرتا پا ڈوب چکے ہیں وہ میرے استاد کی نگاہِ کرم سے میرے پاؤں بھی نہیں بھگو سکا ہے۔ جی ہاں، بے شک کسی بہت بڑے حکمران کا ایک چھوٹا سا سپاہی جو کہ اس کے قوانین و اوامر کا پاسدار ہو، کسی چھوٹے سے حکمران کے بہت بڑے مشیر سے کہیں زیادہ بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔۔۔ مؤلف۔

اور اب میں اپنی سیاحت کی طرف آتا ہوں۔۔۔پس میں دھیرے دھیرے آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ: میرے ہاتھوں میں دو چیزیں تھمادی گئی ہیں:

پہلی چیز: ایک ٹارچ تھی جو کہ زمین کے نیچے کی طبیعت کی تاریکیاں بکھیرتی جاتی تھی۔

دوسری چیز: ایک آلہ تھا جو پہاڑوں جیسی بڑی بڑی ٹھوس چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتا چلا جاتا تھا۔۔۔جس سے میرے سامنے راستہ کھلتا چلا جاتا تھا۔ پھر میرے کانوں سے یہ آواز ٹکرائی: یہ ٹارچ اور یہ آلہ تمہیں قرآن کے خزینے سے عطا کیا گیا ہے۔ بہر کیف میں اسی طرح بہت دیر تک چلتا رہا، پھر میں نے خود کو دیکھا کہ میں دوسری جانب پہنچ گیا ہوں، اور وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ سورج صاف آسمان میں پوری آب وتاب سے چمک رہا ہے اس کے آگے کوئی بادل نہیں۔ نسیم صبا روح کو تازگی بخش رہی ہے، فرحت بخش لذیذ اور زندگی سے بھرپور پانی جاری ہے، ایک ایسی دنیا ہے جو ہر طرف سے آباد ہے اور موسم بہار حسن و جمال سے بھرپور پورے جوبن پر ہے، تو میں نے کہا: الحمد اللہ۔

پھر میں نے دیکھا کہ: میں اپنی ذات کا مالک نہیں ہوں، اور یہ کہ مجھے کوئی تجربے سے گزار رہا ہے، پھر میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں پھر اُسی لق ودق صحرا میں ہوں میری وہی پہلی حالت ہے اور وہی گلوگیر بادل ہے، مجھے ایسے لگا کہ مجھے کوئی ہانکنے والا کسی اور راستے میں ہانکے لیے جا رہا ہے۔ لیکن اب کی بار میں زمین کے نیچے نہیں چل رہا تھا بلکہ میں سطحِ زمین کو سیر وسیاحت کے ذریعے طے کر رہا تھا اور چلتا ہوا ایک دوسری جہت کو جا رہا تھا۔۔۔ اور اپنی اس سیر وسیاحت میں ناقابلِ بیان عجیب وغریب اور انجانی چیزوں کا مشاہدہ کر رہا تھا، یہاں سمندر مجھ پر غضب ناک ہو رہا تھا، آندھی مجھے دھمکی دے رہی تھی اور ہر چیز میرے لیے مشکلیں پیدا کر رہی تھی۔ لیکن میں ہوں کہ چلا جا رہا ہوں اور قرآن کریم کی جناب سے ملے ہوئے سیاحتی آلہءِ کار کے طفیل ان تمام مشکلوں پر غالب آتا جا رہا

ہوں۔۔۔پس میں قدم بقدم فاصلہ طے کرتا رہا اور دیکھتا جارہا تھا کہ بہت سے سیاحوں کے جنازے راستے کے دونوں طرف اِدھر اُدھر پڑے ہوئے ہیں، اور جن لوگوں نے اس سیاحت کی تکمیل کی ہے وہ ہزاروں میں سے ایک ہیں۔۔۔ بہرکیف میں اس گلوگیر بادل سے نجات پاگیا اور زمین کی دوسری جانب روانہ ہوگیا یہاں میں نے حقیقی سورج کا سامنا کیا، اور رُوح پرور نسیم صبا میں آزادانہ سانس لی۔ تو میں نے الحمدللہ کہا اور اس جنت نظیر دنیا کی سیر شروع کردی۔۔۔

پھر میں نے دیکھا کہ کوئی ہے جو مجھے وہاں رہنے نہیں دے رہا ہے، گویا کہ وہ مجھے کسی اور راستے پر ڈالنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ مجھے آنِ واحد میں اُسی ہولناک صحراء میں لے گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ اُنواع واقسام کی کچھ چیزیں لفٹوں کی طرح اُوپر سے نیچے آرہی ہیں، ان میں سے کچھ ہوائی جہازوں جیسی ہیں، کچھ گاڑیوں جیسی اور کچھ لٹکتی ہوئی ٹوکریوں اور تھیلوں کی طرح ہیں، جب کسی انسان کواُس کی قوت واستعداد کے مطابق ان میں سے کسی ایک چیز کی طرف پھینک دیا جاتا تو اُسے اُن کے ذریعے اُوپر کی طرف کھینچ لیا جاتا ہے، تو میں نے بھی ایک کی طرف چھلانگ لگادی تو وہ چیز مجھے ایک منٹ میں بادلوں کے اُوپر لے گئی۔ پس میں ایسے انتہائی خوبصورت اور سرسبز وشاداب پہاڑوں کے اوپر چڑھ گیا کہ بادلوں کا وہ طبقہ ان پہاڑوں کے نصف تک بھی نہیں پہنچ پا رہا تھا؛ یہاں ہرطرف لطافت بھرے بادِنسیم کے جھونکے چل رہے تھے، لذیذ خوشگوار پانی رواں دواں تھا اور شیریں روشنی نظروں کو نواز رہی تھی؛ اور میں نے دیکھا کہ: لفٹوں جیسی یہ خوبصورت نورانی منزلیں یہاں ہرطرف پائی جاتی ہیں۔ اور اس طرح کی نورانی منزلیں میں اپنی دوسری دونوں جانبوں کی دونوں سیاحتوں میں بھی دیکھ چکا تھا، لیکن کچھ سمجھ نہیں سکا تھا۔۔۔ اور اب یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ یہ منزلیں قرآن حکیم کی آیات کی جلوہ گریاں ہیں۔۔۔

اب یہ سمجھو کہ پہلا راستہ جس کی طرف ''وَلاَ الضَّالِّیْنَ'' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، وہ طبیعت یعنی نیچر کے باب میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا اور نیچری فکر کے حاملین کا مسلک ہے۔ اور اس مسلک کے ذریعے حقیقت اور نور تک پہنچنے کے لیے جن مشکلات کا سامنا ہے ان کا احساس آپ کو اچھی طرح ہو چکا ہے۔

اور دوسرا راستہ جس کی طرف ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ'' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، وہ بندگانِ اسباب کا اور اُن لوگوں کا مسلک ہے جو ایجاد اور تأثیر کی نسبت وسائط کی طرف کرتے ہیں اور مشائین (۱) حکماء کی طرح حقیقتُ الحقائق اور واجبُ الوجود کی معرفت تک صرف عقل و فکر کے راستے سے پہنچنا چاہتے ہیں۔

رہا تیسرا راستہ جس کی طرف ''اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، تو وہ صراطِ مستقیم پر گامزن اہلِ قرآن کا نورانی راستہ ہے، اور یہ مختصر ترین، آسان ترین اور سلامت ترین راستہ ہے جو ہر ایک کے لیے کھلا ہوا ہے، اور یہ آسمانی روحانی اور نورانی مسلک ہے۔۔۔

مقصدِ ثانی

ذرّات کے تحوُّلات کے بارے میں ہے۔۔۔ جو کہ آیت کریمہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لاَ تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لاَ يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوَاتِ وَلاَ فِى

(۱) مشائین یا مشاؤون (Peripatetciens) یعنی بہت زیادہ چلنے والے، ارسطو کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ یونانی مفکر ارسطو نے ''ایتھنا'' نامی شہر میں اپنا مدرسہ ''لائسیم'' قائم کیا تھا۔ اس کی سائبان سے ڈھکی ہوئی روشوں پر چہل قدمی کرتے ہوئے وہ فلسفیانہ موضوعات پر گفتگو کرتا تھا۔ ڈھکی ہوئی روشوں کے لیے یونانی لفظ ''پیری پے ٹوس'' ہے۔ اور اس طرح ارسطو کے مدرسہ فکر کو مدرسہ ''پیری پے ٹکس'' یا مشائیہ کہا جانے لگا۔ مشائیت: (Peripatetisme)۔ (کشاف اصطلاحات فلسفہ از قاضی عبدالقادر اور المعجم الفلسفی۔ مجمع اللغۃ العربیۃ۔ جمہوریہ مصر العربیۃ)۔ مترجم۔

الْاَرْضِ وَلاَ اَصْغَرُمِنْ ذٰلِکَ وَلاَ اَکْبَرُ اِلاَّفِی کِتَابٍ مُبِیْنٍ﴾ کے خزینے میں سے ایک ذرّے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

یہ مقصد اس آیتِ کریمہ کے خزینۂ عُظمیٰ میں ایک ذرّے جیسی مقدار کے گوہر کی وضاحت کرتا ہے، یعنی وہ گوہر جو ذرّے کے چھوٹے سے صندوق میں ہے، اور ذرّے کی حرکت اور اس کے وظیفے کے بارے میں ایک چھوٹے سے جزء کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ اور یہ بحث ایک مقدمے اور تین نقطوں پر مشتمل ہے۔۔۔

مقدمہ

قدرتِ الٰہیہ کا قلم کائنات کی کتاب میں جب تکوینی آیات رقم کرتا ہے تو اُس دوران میں اُس قلم سے جو لرزش اور گردش ظہور میں آتی ہے اُسے تحوّلاتِ ذرّات یعنی ذروں کی گردش کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ گردش ہائے ذرّات بازیچۂ تصادُف سے جنم لینے والی بے معنی اندھی اور بے تکی حرکت کا نام نہیں ہے جیسے کہ مادیین اور طبیعیین کا وہم ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرّات اور تمام موجودات کی طرح ہر ذرہ اپنی حرکت کے آغاز میں کہتا ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰہِ﴾؛ کیونکہ وہ اپنی انتہائی طاقت سے کہیں زیادہ بوجھ اُٹھاتا ہے، جیسے کہ گندم کے دانے جتنی گٹھلی اپنے کندھے پر صنوبر کے ضخیم درخت جیسا بوجھ اُٹھائے ہوتی ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنے وظیفے کے اختتام پر کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ﴾، کیونکہ وہ ایک محیر العقول محکم صنعت اور مفید نقش و نگار کے حسن و جمال کو آشکار کرتا ہے اور یوں وہ ایک مدحیہ قصیدے کی طرح صانعِ ذُوالجلال کی حمد و ثنا پر مشتمل معجز نما نشان نمایاں کرتا ہے۔ مثال

(۱) قرآنِ حکیم میں متعدد جگہوں پر ''امام مبین'' اور ''کتاب مبین'' آیا ہے۔ مفسّرین نے اس بارے میں کہا ہے: ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے، البتہ اُن میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ: ان دونوں کا مفہوم مختلف ہے۔ مطلب یہ کہ ان کی حقیقت کی وضاحت میں اُن کے بیانات مختلف ہیں، اور اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ: یہ دونوں علمِ الٰہی کے دو عنوان ہیں۔۔۔

(جاری)

کے طور پر انار اور بھٹے کے دانوں کو ذرا غور سے دیکھیں۔۔۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ) لیکن قرآن کریم کے فیضان سے مجھے یہ اطمینان حاصل ہوگیا ہے کہ: "امام مبین" ایک قسم کے علم الٰہی اور امر الٰہی کا عنوان ہے، چنانچہ یہ عالم شہادت سے زیادہ عالمِ غیب کی طرف دیکھتا ہے یعنی وہ حال سے زیادہ ماضی اور مستقبل کو دیکھتا ہے، مطلب یہ کہ وہ ہر چیز کی اُس کے ظاہری وجود کی بہ نسبت اُس کی اُصل، اُس کی نسل اور اس کی جڑوں اور بیجوں کی طرف زیادہ دیکھتا ہے۔ پس وہ تقدیر الٰہی کا ایک دفتر ہے۔ اور اس دفتر کا وجود چھبیسویں مقالے میں اور دسویں مقالے کے حاشیے میں ثابت کر دیا گیا ہے۔ جی ہاں، یہ "امام مبین" الٰہی علم وامر کی ایک قسم کا عنوان ہے۔ مطلب یہ کہ: اشیاء کے مبادی اور جذور واصول جو اشیاء کو انتہائی عمدگی، اچھوتے پن اور پائداری اور اُستواری اور نظم وضبط کے ساتھ پیدا کرتے ہیں، اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ ان اشیاء کی تنظیم سازی کا کام علم الٰہی کے دساتیر کے دفتر میں انجام پاتا ہے، اور اشیاء کے نتائج، اُن کی نسلیں اور اُن کے بیج اس بات کی جانکاری دیتے ہیں کہ وہ قطعی طور پر اوامرِ الٰہیہ کا ایک چھوٹا سا مجموعہ ہیں: کیونکہ وہ موجودات کے اُن مناہج وفہارس پر مشتمل ہیں جو کہ مستقبل میں آنے والی ہیں، مثال کے طور پر ایک گٹھلی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ: اُن تکوینی اوامر کے لیے ایک چھوٹے سے مجسم سراپے کا حکم رکھتی ہے جو کہ ایک مکمل درخت کی تشکیل وترکیب کرنے والے مناہج وفہارس کی تعیین کرتے ہیں۔۔۔

الحاصل: "امام مبین" جب تخلیق کے اُس درخت کے منہج اور اُس کی فہرست کا حکم رکھتا ہے جس نے اپنی جڑیں اور شاخیں ماضی، مستقبل اور عالمِ غیب کے علاقوں میں پھیلا رکھی ہیں، تو پھر بے شک امام مبین اس معنی میں تقدیرِ الٰہی کا ایک دفتر اور اس کے دساتیر کا مجموعہ ہے۔ پس ذرات ان دساتیر کی املا اور ان کے حکم کے ذریعے اشیاء کے وجود میں اپنی خدمات اور حرکات کے لیے دوڑے چلے آتے ہیں۔۔۔

اور کتابِ مُبین جو ہے، اس کی نظر عالمِ غیب سے زیادہ عالمِ شہادت پر ہے۔ یعنی یہ ماضی اور مستقبل سے زیادہ زمانہ حاضر کی طرف دیکھتا ہے، اور یہ علم وامر سے زیادہ قدرت وارادہ الٰہیہ کا عنوان دفتر اور کتاب ہے۔ پس "امام مبین" اگر تقدیر کا دفتر ہے تو "کتاب مبین" قدرت کا دفتر ہے یعنی کہ ہر چیز کے وجود، ماہیت، صفات اور حالات وکیفیات میں جو صنعت گری کے کمالات اور انتظامات پائے جاتے ہیں، ان کے پیشِ نظر وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ: اُس چیز کو تقدیر کے کامل دساتیر اور ارادۂ نافذہ کے قوانین کے ساتھ وجود کا لباس پہنایا جاتا ہے، اس کی صورتیں شکلیں متعین کی جاتی ہیں، اُسے تشخص، معین مقداریں اور خصوصی شکل عطا کی جاتی ہے، پس اس قدرت اور ارادے کا بہت بڑا دفتر اور عمومی اور کُلی قوانین کا مجموعہ ہے جہاں ہر چیز خصوصی وجود اور خصوصی صورتوں کی وضع قطع ہوتی ہے اور پھر اُس وجود اور اُن صورتوں شکلوں کی سلائی کر کے ان چیزوں کے ماپ کے مطابق اُنہیں پہنا دی جاتی ہیں۔ "امام مبین" کی طرح اس دفتر کے وجود کا اثبات بھی تقدیر اور جزو اختیاری کے مسائل میں کر دیا گیا ہے۔

اب ذرا اہل غفلت وضلالت وفلسفہ کی حماقت ملاحظہ ہو کہ اُنہوں نے اشیاء میں پائی جانے والی قدرت فاطرہ کی لوح اور حکمت وارادۂ ربانیہ کی کتاب یعنی بصیرت سے بھرپور کتاب لوح محفوظ کی جلوہ گری کو محسوس تو کر لیا لیکن اسے _ حاشاللہ _ طبیعت یا نیچر کا نام دے کر اس کو اندھا کر کے رکھ دیا ہے۔

جی ہاں! تحولاتِ ذرّات (۱) نام ہے: اُن با معنی لرزشوں، تھرتھراہٹوں اور حرکتوں کا جو کہ کلماتِ قدرت کو لکھتے وقت اور اُن کلمات کو "لوح المحوِ والاثبات" سے مٹاتے وقت ظہور میں آتی ہیں۔ وہ لوح المحو والاثبات جو کہ زمانِ سیال کی حقیقت اور اُس کا مثالی صحیفہ ہے۔۔۔

ان کلمات کو اُس کتابِ مبین سے نقل کیا جاتا ہے جو کہ الٰہی قدرت اور ارادے کا عنوان ہے اور جو عالمِ شہادت اور زمانہ حاضر سے اشیاء کی ایجاد و تشکیل میں تصرف کا محور اور

(بقیہ گزشتہ صفحہ) علم الٰہی کے دساتیر کے دفتر میں انجام پاتا ہے، اور اشیاء کے نتائج، اُن کی نسلیں اور اُن کے بیج اس بات کی جانکاری دیتے ہیں کہ وہ قطعی طور پر اوامرِ الٰہیہ کا ایک چھوٹا سا مجموعہ ہیں؛ کیونکہ وہ موجودات کے اُن مناہج وفہارس پر مشتمل ہیں جو کہ مستقبل میں آنے والی ہیں، مثال کے طور پر ایک گٹھلی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ: اُن تکوینی اوامر کے لیے ایک چھوٹے سے مجسم سراپے کا حکم رکھتی ہے جو کہ ایک مکمل درخت کی تشکیل وترکیب کرنے والے مناہج وفہارس کی تعیین کرتے ہیں۔۔۔

الحاصل: "امام مبین" جب تخلیق کے اُس درخت کے منہج اور اُس کی فہرست کا حکم رکھتا ہے، جس نے اپنی جڑیں اور شاخیں ماضی، مستقبل اور عالم غیب کے علاقوں میں پھیلا رکھی ہیں، تو پھر بے شک امام مبین اس معنی میں تقدیرِ الٰہی کا ایک دفتر اور اس کے دساتیر کا مجموعہ ہے۔ پس ذرّات اِن دساتیر کی املا اور ان کے حکم کے ذریعے اشیاء کے وجود میں اپنی خدمات اور حرکات کے لیے دوڑے چلے آتے ہیں۔۔۔

اور کتابِ مُبین جو ہے، اس کی نظر عالمِ غیب سے زیادہ عالمِ شہادت پر ہے۔ یعنی یہ ماضی اور مستقبل سے زیادہ زمانہ حاضر کی طرف دیکھتا ہے، اور یہ علم وامر سے زیادہ قدرت وارادہ الٰہیہ کا عنوان دفتر اور کتاب ہے۔ پس "امام مبین" اگر تقدیر کا دفتر ہے تو "کتاب مبین" قدرت کا دفتر ہے یعنی کہ ہر چیز کے وجود، ماہیت، صفات اور حالات وکیفیات میں جو صنعت گری کے کمالات اور انتظامات پائے جاتے ہیں، ان کے پیشِ نظر وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ: اُس چیز کو تقدیر کے کامل دساتیر اور ارادۂ نافذہ کے قوانین کے ساتھ وجود کا لباس پہنایا جاتا ہے، اس کی صورتیں شکلیں متعین کی جاتی ہیں، اُسے تشخص، معین مقداریں اور خصوصی شکل عطا کی جاتی ہے، پس اس قدرت اور ارادے کا بہت بڑا دفتر اور عمومی اور کُلی قوانین کا مجموعہ ہے جہاں ہر چیز خصوصی وجود اور خصوصی صورتوں کی وضع قطع ہوتی ہے اور پھر اُس وجود اور اُن صورتوں شکلوں کی سلائی کر کے ان چیزوں کے ماپ کے مطابق اُنہیں پہنادی جاتی ہیں۔ "امام مبین" کی طرح اس دفتر کے وجود کا اثبات بھی تقدیر اور جزو اختیاری کے مسائل میں کر دیا گیا ہے۔

دارومدار ہے۔۔۔

اور اُن کلمات کو اُس امامِ مبین کے قوانین و دساتیر کے مطابق نقل کیا جاتا ہے جو کہ ماضی اور مستقبل کی تمام چیزوں اور نسلوں کی اُن کی امتیازی علامات سمیت اصل اور بنیاد ہے اور الٰہی علم اور امر کا عنوان ہے۔

پہلا نقطہ۔۔۔ اس میں دو مبحث ہیں۔۔۔

پہلا مبحث

بے شک ہر ذرّے میں؛ اور ہر ذرّے کی حرکت میں اور اس کے سکون میں دو سورجوں کی طرح دو نورِ توحید چمکتے ہیں اور ہم ''دسویں مقالے'' کے پہلے اشارے میں اجمالاً اور

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اب ذرا اہلِ غفلت وضلالت وفلسفہ کی حماقت ملاحظہ ہو کہ اُنہوں نے اشیاء میں پائی جانے والی قدرت فاطرہ کی لوح اور حکمت وارادۂ ربانیہ کی کتاب یعنی بصیرت سے بھرپور کتاب لوح محفوظ کی جلوہ گری کو محسوس تو کر لیا لیکن اسے۔ حاشاللہ۔ طبیعت یا نیچر کا نام دے کر اس کو اندھا کر کے رکھ دیا ہے۔ پس یاد رہے کہ قدرتِ الٰہیہ ''امام مبین'' کی املا سے یعنی تقدیر کے حکم اور اس کے دستور کے ساتھ زمانے کے مثالی صفحے پر کہ جس کا نام ''لوحُ المحوِ والا ثبات'' ہے، موجودات کے اس سلسلے کو رقم کرتی اور پروان چڑھاتی ہے، جن میں سے ہر چیز ایک مستقل آیت یا نشانی کا حکم رکھتی ہے اور اشیاء کی ایجاد کے ضمن میں ذرّات کو حرکت دیتی ہے۔۔۔ پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذرّات کی حرکات دراصل ان حرکات واہتزازات کا نام ہے جو اس وقت ظہور میں آتی ہیں جب موجودات اُس کتابت، تحریر اور استنساخ یعنی نقل تحریر کے عمل کے دوران میں عالمِ غیب سے عالمِ شہادت اور علم سے قدرت کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔۔۔

رہی لوحِ محو واثبات تو وہ اِس دائرہ ممکنات میں دائمی اور ثابت و برقرار لوحِ اعظم یعنی لوحِ محفوظ کا ایک متبادل دفتر اور کتابت ومحو یعنی لکھنے اور مٹانے کی لَوح ہے، یعنی وہ اُن اشیاء کا دفتر ہے جو دائماً موت وحیات اور وجود وفنا سے دوچار رہتی ہیں۔۔۔ اور یہ زمانے کی حقیقت ہے۔۔۔ جی ہاں! جس طرح ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اسی طرح اُس چیز کی حقیقت جسے ہم زمانہ کہتے ہیں جو کہ اس کائنات میں ایک عظیم نہر کی طرح رواں دواں ہے، یہ ہے کہ: وہ لوحِ محو واثبات میں قدرتِ الٰہی کی کتابت کے لیے ایک صفحے اور روشنائی کا حکم رکھتا ہے۔۔۔

لا یعلم الغیب الا اللہ۔۔۔ مؤلف۔

''بائیسویں مقالے''میں تفصیلاً یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ: ہر ذرّہ اگر اللہ تعالیٰ کے اوامر کا مامور نہ ہو، اور اُس کی حرکت اُس کے اِذن وتصرف کے تابع نہ ہو اور اُس کا تحوّل وتغیر اس کے علم اور اُس کی قدرت کے تحت نہ ہو تو پھر یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ذرّہ لاانتہا علم اور لاانتہا قدرت کا مالک ہے اور اس کے پاس ایک آنکھ ہے جس سے وہ ہر چیز کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے ایک چہرے کا مالک ہے جو ہر طرف دیکھ رہا ہے اور ایک امر کا مالک ہے جو ہر چیز میں نافذ ہو جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عناصر کا ہر ذرّہ منظم صورت میں عمل کرتا ہے یا ہر معلوم ذی حیات کے جسم میں عمل کرنے کے قابل ہے۔ اور یہ بات تو معلوم ہے کہ اشیاء کے انتظامات اور ان کی شکل پذیری کے قوانین مختلف ہیں، اس لیے اگر ان کے انتظامات کا علم نہ ہو تو عمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور جب عمل ہو جائے تو اس کا بغیر کسی غلطی کے سرانجام پا جانا ممکن نہیں ہے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ تمام اعمال بغیر کسی غلطی کے سرانجام پا رہے ہیں۔ اس لیے اب یہ ذرّات جو کہ خدمات میں لگے ہوئے ہیں یا تو اپنے علم محیط کے مالک کے اذن، اُس کے امر اور اس کے علم وارادے سے کام کر رہے ہیں، اور یا پھر یہ لازم آتا ہے کہ خود ان کی ذات میں اسی طرح کا علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ پائی جاتی ہو۔۔۔ پھر ہوا کا ہر ذرّہ ہر زندہ جسم میں، ہر پھل میں، ہر پھول میں اور پتے کی ساخت میں داخل ہو سکتا ہے اور اُس میں سرگرمِ عمل ہو سکتا ہے، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ساخت پرداخت ایک دوسرے سے مختلف اور ہر ایک کا نظام دوسرے سے متباین ہے۔ مثال کے طور پر اگر انجیر کے پھل کا کارخانہ بالفرض ٹیکسٹائل مِل کے مشابہ ہو گا تو انار کے پھل کا کارخانہ شوگر مل کے مشابہ ہو گا۔ اب ہوا کا یہ ذرّہ ان سب میں داخل ہو جاتا ہے، یا یوں کہو کہ اُس کے لیے ان سب میں داخل ہونا ممکن ہے، اور یہ ان میں داخل ہو کر سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے اور انتہائی حکمت، مہارت اور بغیر کسی غلطی کے وہاں مختلف اوضاع واطوار اپنا لیتا

ہے۔اور پھر جب اس کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے تو اس چیز کو چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے۔۔۔

اور یوں ہوائے متحرک میں محوِ حرکت ایک ذرّہ یا تو حیوانات و نباتات اور اُن کے پھلوں اور پھولوں کو پہنائی جانے والی تمام صورتوں کے بارے میں علم رکھتا ہے، اور ان کو دی جانے والی شکلوں صورتوں کے پیمانوں، روِشوں اور مقداروں کے بارے میں بھی علم رکھتا ہے، اور یا پھر یہ ضروری ہے کہ وہ ذرّہ ایک ایسی ہستی کے امر اور ارادے کا مامور ہے جو اُس کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے کیونکہ ساکن مٹی اور اُس کا ہر ساکن ذرّہ تمام پھول دار نباتات اور پھل دار درختوں کے بیجوں کی پیدائش اور نشو ونما کا دار و مدار ہو سکتا ہے، چنانچہ خاک کی اس مُٹھی میں جو ایک جیسے ذرات سے تشکیل پانے کی وجہ سے ایک ہی ذرّے کا حکم رکھتی ہے۔۔۔اُس ذرے میں جو بیج بھی ڈالا جائے گا وہ اُس میں اُس کا اپنا ایک خصوصی کارخانہ موجود پائے گا جس میں اُس بیج کی تشکیل وصورت گری کے تمام آلات ولوازمات پائے جاتے ہیں۔مطلب یہ کہ یا تو اُس ذرّے یعنی خاک کی مٹھی میں انواع واقسام کی نباتات واشجار اور ازہار واثمار کی تعداد کے برابر کارخانے، فیکٹریاں اور اُن سے متعلقہ معنوی آلات واوزار ہونے چاہئیں، اور یا پھر اُن کے اندر ہر شے کو عدم سے تخلیق کرنے والی معجزانہ قدرت اور ہر چیز کے بارے میں ہمہ جہتی علم رکھنے والا علم ہونا چاہیے اور یا پھر یہ تمام اَعمال ووظائف ہر چیز کا علم رکھنے والی اور چیز پر قدرت رکھنے والی ہستی کی طاقت اور اُس کے امر سے انجام پا رہے ہیں۔۔۔

اگر تہذیب حاضر سے نا آشنا ایک سادہ لوح نابینا انسان یورپ چلا جائے، اور وہاں ہر کارخانے، فیکٹری اور مِل میں جا کر انتہائی مہارت، ہمہ دانی اور نظم وضبط کے ساتھ مصنوعات کے ایسے شہ پارے تیار کرے کہ جن سے عقلیں دنگ رہ جائیں۔۔۔تو جس کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہوگی وہ جان جائے گا کہ یہ آدمی جو کچھ بھی کر رہا ہے خود اپنی

طرف سے نہیں کر رہا ہے بلکہ ہمہ گیر علم کا مالک کوئی اُستاد اُسے سکھا پڑھا رہا ہے اور اس سے کام لے رہا ہے۔۔۔

اور اسی طرح ایک عاجز و لاچار نابینا انسان ہے جو کہ بے بسی کی حالت میں اپنی چھوٹی سی کٹیا کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ اُس کے پاس کٹیا میں ایک چھوٹی سی کنکری، ہڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اور تھوڑی سی رُوئی بھیجی جاتی ہے لیکن اچانک نظر آتا ہے کہ اس کٹیا سے منوں کے حساب سے چینی، تھانوں کے حساب سے کپڑا، ہزاروں کے حساب سے ہیرے جواہر، بہترین کوالٹی کے خوبصورت ترین ملبوسات اور لذیذ ترین مأکولات برآمد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔۔۔ تو کیا جس کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہے وہ یہ نہیں کہے گا کہ: یہ آدمی ایک صانع معجز کے کارخانے کا بٹن ہے یا اُس کارخانے کا ادنیٰ سا ملازم ہے جو کہ معجزات کی فیکٹری ہے۔

ہوا میں رقصاں ذرّات اور نباتات و اشجار و ازہار و اَثمار میں ان کے وظائف کا بھی بعینہٖ یہی حال ہے، نباتات و اشجار و ازہار و اَثمار جو کہ صمدانی مکتوبات، ربانی مصنوعات، قدرت کے معجزات اور حکمت کے خوارقِ عادات ہیں، اور جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ذرّات ان میں صانعُ الحکیم ذُوالجلال کے امر سے اور فاطرِ کریم ذُوالجمال کے ارادے سے حرکت کرتے ہیں، اور یہ کہ مٹی کے یہ ذرّات جو کہ بیجوں اور گٹھلیوں سے پھوٹنے والی بالیوں اور درختوں کھیتی اور سرچشمہ، یہ بیج اور گٹھلیاں جو کہ مختلف آلات و اَوزار، متعدد چھاپے خانے جداگانہ چھاپہ خانے اور ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ خزانوں کا حکم رکھتے ہیں اور متعدد اعلانات کا حکم رکھتے ہیں جو کہ صانعِ ذُوالجلال کے ناموں کا اعلان کرتے ہیں، باہمدگر مختلف قصیدے ہیں جو اُس کے کمالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انوکھے بیج جو کہ ان اشجار و نباتات کا محل و مصدر ہیں ''کُن فیکون'' کے اُس مالکِ

ذوالجلال کے امر، ارادے اور قوت سے بنتے ہیں جس کے امر کے آگے ہر چیز مسخر ہے۔اور یہ حقیقت اتنی قطعی اور یقینی ہے جیسے کہ دوضرب دو چار ہوتے ہیں۔۔۔آمنا۔۔۔

دُوسرا مبحث

اس مبحث میں ذرّات کی حرکات میں پائے جانے والے وظائف اور حکمتوں کی طرف چھوٹا سا اشارہ کیا گیا ہے۔

وہ مادہ پرست لوگ کہ جن کی عقلیں اُن کی آنکھوں میں ہیں، جن کی حکمت خالی از حکمت ہے اور جن کا فلسفہ عبث و بیہودگی کی بنیاد پر کھڑا ہے، انہوں نے تصادُف کے ساتھ بالکل بھی تعلق نہ رکھنے والے ذرات کے تحولات وتغیرات کو اپنے تمام دساتیر کی بنیاد بنالیا ہے، اور انہیں مصنوعاتِ الٰہیہ کا منبع و مصدر بنا دیا ہے۔ لیکن جو ذرہ برابر بھی شعور کا مالک ہے، جانتا ہے کہ اُن کا اِن بے شمار حکمتوں سے مزین مصنوعات کی نسبت ایک مخلوط، بے حکمت، بے معنی اور بدحواس چیز کی طرف کردینا بالکل ہی خلافِ عقل ہے۔۔۔

اور قرآنی نقطۂ نظر سے ذرّات کے تحولات کے کئی ایک بہتیرے وظائف اور متعدد حکمتیں ہیں جن کی طرف ﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور اس جیسی بہت سی آیات اشارہ کرتی ہیں، ہم ان میں سے بطورِ مثال چند کی طرف اشارہ کریں گے:

پہلی حکمت: فاطرِ ذوالجلال نے اپنی قدرت کے ساتھ ذرّوں کو حرکت دی ہے اور اِن کے سپرد کچھ وظائف کیے ہیں تا کہ ہر انفرادی رُوح کو ایک قسم کا نمونہ بنا کر اسے ہر سال نئے سرے سے اپنی قدرت کے معجزات کے نئے نویلے اجسام پہنائے، اور تا کہ وہ حکمت کے ذریعے ہر انفرادی کتاب سے ایک ہزار مختلف کتابوں کے نُسخے تیار کرے، اور ایک منفرد حقیقت کو مختلف صورتوں، شکلوں اور اندازوں میں ظاہر کرے اور یکے بعد دیگرے گروہ در گروہ آنے والی کائناتوں، دنیاؤں اور مخلوقات وموجودات کے لیے جگہیں بناتا اور مقام

مہیا کرتا رہے، تا کہ اس طرح وہ واجبُ الوجود اپنی ایجادی تجلیات کی تجدید کرتا رہے۔۔۔

دُوسری حکمت: بے شک مالکُ الملک ذوالجلال نے اس دنیا کو_ اور خاص کر سطحِ زمین کی اِس کھیتی کو_ ایک مُلک کی صورت میں پیدا کیا ہے، یعنی اسے اس طرح کی شکل و صورت دی ہے کہ یہ نشو ونما کے اور نئی نئی محصولات کی پیدائش کے قابل ہے، اور اِسے یہ شکل وصورت اس لیے دی ہے تا کہ وہ اس میں اپنی قدرت کے غیر متناہی معجزات کاشت کرے اور پھر اُن کی فصل کاٹے۔۔۔ چنانچہ اس نے سطحِ زمین پر اپنی اس کھیتی میں انتہائی حکمت کے ساتھ ذرّات کو متحرک رکھا ہوا ہے اور انتظام کے دائرے میں ان کے وظائف مقرر کر دیے ہیں۔ اور یوں وہ اس طرح اپنی قدرت کے معجزات سے سطحِ زمین کی اس کھیتی میں گوناگوں محصولات پیدا کرتا اور نئی نئی کائناتوں کو آشکار کرتا رہتا ہے، اور ذرّات کی حرکات کے ذریعے ہر دور میں، ہر موسم میں، ہر مہینے میں، ہر دن بلکہ ہر گھڑی میں اپنی رحمت کے خزانے کے لاانتہا تحفے اور اپنی لاانتہا قدرت کے معجزات کے نمونے ظاہر کرتا ہے۔۔۔

تیسری حکمت: بے شک وہ نقاشِ اَزلی اس محدود سی زمین میں بے حد وحساب نقوش کے اظہار کے لیے اور اس چھوٹے سے صفحے میں لاانتہا معانی عطا کرنے والی بے حد و حساب آیات لکھنے کے لیے کمال حکمت کے ساتھ متحرک کیے ہوئے ہے اور کمال انتظام کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں مقرر کر کے انہیں سرگرم رکھے ہوئے ہے۔ تا کہ اسمائے الٰہیہ اِن نقوش کے اظہار کے ذریعے اپنی لاانتہا تجلیات سے مستفید کرتے رہیں۔

جی ہاں! اس سال کی محصولات اور سابقہ سال کی محصولات کو ایک ساتھ ملا دیا جائے تو دونوں کا حکم ایک ہی ہے، لیکن ان دونوں کے معانی و مفاہیم مختلف ہیں، اس لیے اعتباری تعینات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معانی تبدیل ہوتے رہتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ اور یاد رہے کہ اعتباری تعینات اور وقتی تشخصات بظاہر تبدیل ہوتے رہتے اور فنا پذیر ہوتے رہتے ہیں

لیکن اُن کے خوبصورت معانی کی نگہداشت کی جاتی ہے، چنانچہ وہ ثابت و برقرار رہتے ہیں۔

چنانچہ اِس درخت کے پتے اور پھل پھول جو سابقہ ربیع میں تھے وہ اِس ربیع میں حقیقت کی رُو سے بعینہٖ اُسی طرح کے ہیں؛ کیونکہ اُن میں رُوح نہیں ہے۔۔۔فرق صرف اعتباری تشخصات کا ہے، اِس ربیع کی موجودات اُن اعتباری تشخصات کی جگہ پر دیگر تشخصات کو لے آئی ہیں تاکہ اَسمائے الٰہیہ کے شئوون واحوال کے اُن معانی و مفہوم سے مالا مال کردیں جو کہ دمادم جِدت تازگی اور نیاپن اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔۔۔

چوتھی حکمت: بے شک وہ حکیمِ ذُوالجلال وسیع وعریض عالم ملکوت، عالمِ مثال اور اِن جیسی بے حد وحساب اُخروی کائناتوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والی محصولات اور سامان ہائے تزیین وآرائش کے لوازمات کی مصنوعات کے لیے دنیا کی اس تنگ سی کھیتی میں اور سطحِ زمین کی فیکٹری میں ذرّات کو حرکت میں رکھتا ہے، چنانچہ وہ کائنات کو سیال اور موجودات کو سیّار بناتا ہے، اور یوں وہ اِس چھوٹی سی زمین میں اُن بڑی بڑی اور وسیع وعریض کائناتوں کے لیے بہت سی معنوی محصولات پیدا کرتا ہے، اور اپنی لاانتہا قدرت کے خزینے سے اس دنیا سے ایک سیلِ بے پناہ جاری کرتا ہے اور اُسے عالمِ غیب میں _ اور اس کا کچھ حصہ _ دوسری اُخروی کائناتوں میں اُنڈیل دیتا ہے۔۔۔

پانچویں حکمت: وہ سبحانہ وتعالیٰ اس تنگ اور محدود زمین میں اور متناہی اور قلیل مدت میں لانہایت کمالاتِ اِلٰہیہ، بلا حد وحساب جلواتِ جمالیہ، بلا غایت تجلیاتِ جلالیہ اور غیر متناہی تسبیحاتِ ربانیہ کے اظہار کے لیے اپنی قدرت کے ذریعے کمال حکمت کے ساتھ ذرّات کو حرکت میں رکھتا ہے اور کمال انتظام کے ساتھ اُن کے وظائف اور ذمہ داریاں مقرر کرتا ہے، چنانچہ وہ موجودات سے اِس متناہی وقت میں اور محدود زمین میں غیر متناہی تسبیحات کرواتا ہے، اپنی غیر محدود جمالی، جلالی اور کمالی تجلیات کا اظہار کرتا ہے، بہت سے

غیبی حقائق اور بہتیرے اُخروی ثمرات کو آشکار کرتا اور پروان چڑھتا ہے، اور فانی چیزوں کی حقیقتوں اور ان کی باقی رہنے والی صورتوں سے کثرت کے ساتھ مثالی نقوش ونگار اور مفید ترین پُر حکمت لوحی پارچہ جات ایجاد کرتا ہے۔۔۔

پس جو ذرّات کو متحرک کرتا ہے وہی اِن عظیم الشان مقاصد کو اور ان بھاری بھرکم حکمتوں کو آشکار کرتا ہے، وگرنہ یہ لازم آتا ہے کہ ہر ذرّے کے اندر سورج کے برابر کا دماغ ہو۔۔۔

پس تحوّلاتِ ذرات کہ جن کی حرکات کا اِن پانچ مثالوں کی طرح مزید پانچ ہزار حکمتوں پر مشتمل ہونے کا احتمال ہے۔ اِن کے بارے میں ان اُحمق اور کم عقل فلاسفہ کا خیال ہے کہ یہ کسی بھی حکمت سے بالکل خالی ہیں!

اور یہ ذرّات جو کہ دائرے میں گھومتے ہیں اور مولوی (۱) کی طرح جذب ومستی میں ذکر وتسبیح الٰہی میں مگن ہو کر دو طرح کی حرکت کرتے ہیں، جن میں سے در حقیقت ایک نفسی اور دوسری اُفقی ہوتی ہے، ان مُورکھوں کا خیال ہے کہ یہ ایک مدہوش آدمی کی طرح از خود گھومتے اور رقص کرتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان لوگوں کا علم بھی جہل ہے، علم نہیں ہے، اور ان کی حکمت، حکمت نامی چیز سے بالکل خالی ہے!۔۔۔

(ہم ابھی تیسرے نقطے میں ایک اور طویل حکمت ذکر کریں گے وہ چھٹی ہوگی)۔

دُوسرا نقطہ

بے شک ہر ذرّے میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دو سچے گواہ پائے

---

(۱) مراد مولانا روم کا مرید صوفی ہے جو کہ دائرے میں گھومتا ہوا دو قسم کی حرکتیں کرتا ہے، ایک خود اپنے گرد اور دوسری دائرے میں۔۔۔مترجم۔

جاتے ہیں:

جی ہاں! ایک ذرّہ اپنے عجز وجمود کے باوصف شعوری طور پر بڑی بڑی ذمہ داریاں نبھا کر اور بھاری بھرکم بوجھ اُٹھا کر واجبُ الوجود کے وجود پر قطعی قسم کی گواہی مہیا کرتا ہے، اور اسی طرح وہ واجبُ الوجود کی اُحدیّت پر اور مالکُ الملک والملکوت کی اُحدیّت پر قطعی قسم کی گواہی مہیا کرتا ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ جہاں بھی داخل ہوتا ہے اپنے خصوصی نظام کا خیال رکھتا ہے اور اپنی حرکات کے ساتھ عمومی نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور اس جگہ کو ایسے ہی وطن بنالیتا ہے جیسے کہ وہ اُس کا اپنا وطن ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ذرّہ جس کا بھی ہوگا وہ تمام جگہیں اُسی کی ہوں گی جہاں جہاں یہ ذرّہ گردش کرتا ہے۔ تو گویا کہ ذرّہ یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ قدیرِ مطلق کے نام کی برکت اور اس کے امر کے ساتھ قائم دائم اور متحرک ہے؛ کیونکہ وہ عاجز ہے اور بوجھ جو اُس نے اُٹھایا ہوا ہے بہت بھاری ہے اور اس کے وظائف اور ذمہ داریاں لاانتہا ہیں۔۔۔ پھر یہ بھی ہے کہ اسے جو اِس طرح کی حرکت کرنے کی توفیق ملی ہے کہ جو کائنات کے تمام کلی نظاموں کا علم رکھتی ہے اور یہ جو بغیر کسی رکاوٹ کے ہر جگہ داخل ہو جاتا ہے، یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک علیمِ مطلق اور واحد ذات کی قدرت اور حکمت کے بل پر مصروفِ عمل ہے۔

جی ہاں! جس طرح ایک سپاہی کی فوج کے ہر دستے اور ہر دائرے میں مختلف نسبتیں ہوتی ہیں اور اس کی ان نسبتوں کے حساب سے مختلف ذمہ داریاں ہوتی ہیں، اور اُسے ان تمام نسبتوں اور ذمہ داریوں کی جان پہچان کر کے اُن کے مطابق حرکت کرنے کی توفیق ملتی ہے، اور یہ سب کچھ اُسے عسکری نظم وضبط کے تحت تعلیم اور تدریب حاصل کرنے اور اُس کمانڈر جنرل کے احکامات اور قانون کی تعمیل کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو ان دائروں میں فوج کی قیادت کررہا ہے؛ اسی طرح ہر ذرّہ جو باہمد گر متداخل مرکبات میں داخل ہوتا ہے

ایسے حالات اور اوضاع واطوار رکھتا ہے جو کہ ان مرکبات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اِسی طرح وہ مختلف قسم کی مصلحتوں پر مشتمل نسبتوں کا، متعدد منظّم وظائف کا اور متغایر حکیمانہ نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس ذرّے کو اِن مرکبات میں داخل ہو جانے اور رہائش پذیر ہو جانے کی اس طرح کی قُدرت دے دینا کہ جس سے وہ اِن تمام نسبتوں اور ذمہ داریوں کی اس طرح سے نگہداشت کرے کہ نتائج اور حکمتوں پر کوئی آنچ نہ آئے، یہ کام صرف اُسی ذات کے ساتھ خاص ہے جس کے قبضۂ تصرّف میں یہ تمام کائنات ہے؛ کیونکہ وہ ذرّہ جو کہ مثال کے طور پر ''توفیق'' (۱) کی آنکھ کی پتلی میں گھر کیے ہوئے ہے، وہ محرک اور حساس پٹھوں، شریانوں اور وریدوں جیسے عضلات کے مقابلے میں ایک مناسب وضع قطع لیے ہوئے ہے، اور اس کے چہرے میں، پھر سر اور جسم میں، پھر مجموعی ہیئتِ انسانیہ میں، اِن سب کے مقابل میں کمال حکمت کے ساتھ بہت سی نسبتیں، وظائف اور فوائد لیے بیٹھا ہے۔۔۔

پس یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس مکمل جسم کے تمام اعضاء پیدا کیے ہیں وہ ذرّے کو اس جگہ میں ٹھہراؤ اور جماؤ دے سکتا ہے، اور خاص کر ان ذرّات کو جو رزق کے لیے آتے ہیں۔ اور یہ ذرات جو کہ رزق کے قافلے کے ہمراہ چلتے اور سفر کرتے ہیں انتہائی حیرت انگیز نظم وضبط اور حکمت کے ساتھ چلتے اور گردش کرتے ہیں، مختلف اطوار وطبقات میں انتہائی منظم طریقے سے آتے جاتے ہیں اور اتنی شعوری چال سے چلتے ہیں کہ قطعاً خطا نہیں کرتے۔ پس وہ چلتے چلاتے ایک زندہ جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور چار صافیوں میں صاف ہوتے ہیں تا آنکہ انہیں خون کے سُرخ

(۱) رسائل نور کا سب سے پہلا کاتب۔۔۔ مؤلف۔

کرویات (۱) پر سوار کرا دیا جاتا ہے تاکہ وہ ان اعضاء و جوارح اور خلیات کی امداد کے لیے پہنچ جائیں جو رزق کے محتاج ہیں، چنانچہ وہ قانونِ کرم کے تحت امداد پا لیتے ہیں۔ پس یہاں سے یہ بات بداہتاً سمجھ میں آتی ہے کہ:

بے شک وہ جو اِن ذرّات کو ہزاروں مختلف منازل اور متباین طبقات سے دھکیلتا ہوا گزارتا ہے، بلا شک و شبہ ایسا رزاقِ کریم اور خلاّقِ رحیم ہے کہ ذرّات و نجوم جس کی قدرت کے سامنے دوش بدوش برابر ہیں۔۔۔ اور یہ بھی کہ جو ذرّہ کسی نہ کسی صنعت کے نقش و نگار میں سرگرم عمل ہے وہ: یا تو اس حیرت انگیز نقش و نگار اور اس پُر حکمت منقش صنعت کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ وہ تمام ذرّات کے ساتھ مناسبت رکھنے والی حالت میں ہے اور بیک وقت ہر ذرّے پر علیحدہ علیحدہ اور تمام ذروں پر مجموعی طور پر حاکم بھی ہے اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ اور مجموعی طور پر محکوم بھی ہے۔۔۔ اس سب کے باوجود وہ نقش و نگار اور منقش صنعت کو ایجاد کر لیتا ہے!۔۔۔ یہ چیز ہزاروں دفعہ محال ہے۔ اور یا پھر یہ ایسے نُقطوں سے عبارت ہے جو حرکت پر مامور ہیں اور صانعُ الحکیم کے قانونِ تقدیر اور اس کے قلمِ قدرت سے صادر ہوئے ہیں۔۔۔

مثال کے طور پر:

ایا ''صوفیا'' کے قبے میں پائے جانے والے پتھر اگر اپنے معمار اور اس کی ماہرانہ صنعت گری کے حکم کے تابع نہیں ہیں تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ہر پتھر اپنی معماری صنعت گری میں ''معمار سنان'' (۲) کی طرح ہو، اور یہ کہ وہ بیک وقت دوسرے پتھروں پر

---

(۱) Redblood-corpuscties

(۲) سلطان محمد فاتح کے عہد زریں میں ترکی کا سب سے بڑا معمار انجینئر (1489-1528م) جامع مسجد سلیمیہ اور جامع سلیمانیہ جیسی شاہکار مساجد اس کی نگرانی میں تعمیر ہوئیں۔ مترجم۔

حاکم بھی ہو اور اُن کے تابعِ اَمر محکوم بھی، مطلب یہ کہ وہ دوسرے پتھروں سے کہے کہ: آؤ ہم سر سے سر جوڑ لیں تا کہ گرنے سے بچ جائیں۔ بالکل یہی معاملہ مخلوقات و مصنوعات میں پائے جانے ذرّات کا ہے، وہ مصنوعات جو کہ "اَیا صوفیا" کے قُبّے سے ہزاروں مرتبہ خوبصورت، حیرت خیز اور پُرحکمت صنعت گری کا نمونہ ہیں۔ یہ ذرّے اگر صانع کائنات کے امر کے تابع نہیں ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک ذرّے کو اتنے ہی کمالات و اوصاف کا مالک مانا جائے جتنے کہ صانعِ کائنات کے ہیں۔۔۔

سبحان اللہ! کیسی ستم ظریفی ہے کہ زندیق اور مادہ پرست کفار اپنے مذہب کے مطابق ذرّات کے برابر باطل خداؤں کو قبول کرنے پر مجبور ہیں، صرف اس بنا پر کہ وہ واجبُ الوجود کو قبول نہیں کرتے ہیں۔۔۔ یاد رہے کہ کافر کتنا بھی بڑا سائنسدان یا فلسفی کیوں نہ ہو، اس پہلو میں وہ جہلِ عظیم کی دلدل میں ہے اور انتہائی درجے کا جاہلِ مطلق ہے۔۔۔

تیسرا نقطہ

یہ نقطہ اُس چھٹی عظیم الشان حکمت کی طرف اشارہ ہے جس کے بارے میں پہلے نقطے کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ: اٹھائیسویں مقالے کے دوسرے سوال کے جواب کے حاشیے میں کہا گیا ہے کہ: ذی حیات اجسام میں ذرّوں کے تحولات و حرکات کی ہزاروں حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے، ذرّوں کا روشن کرنا اور اُن کا ذی حیات اور ذی معنی ہو جانا، تا کہ یہ ایسے ذرّات بن جائیں جو عالم آخرت کی بنیاد رکھنے کے قابل ہوں۔ تو گویا کہ حیوانی، انسانی حتی کہ نباتی جسم بھی ایک مہمان خانے، بیرک اور مدرسے کا حکم رکھتا ہے جہاں آنے والے تربیت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، چنانچہ جامد ذرّات اِن میں داخل ہوتے ہی جگمگا اُٹھتے ہیں اور تعلیم و تربیت کا مظہر بن جاتے ہیں، اور یوں وہ وہاں سے لطافت اور لیاقت کا اکتساب کرتے ہیں تا کہ اپنے وظائف اور ذمہ داریاں ادا کر کے اپنے

تمام اجزاء سمیت عالمِ بقاء اور دارِ آخرت کے ذرّات بن جائیں۔۔۔

سوال: ذرّات کی اِن حرکات میں جو حکمت پنہاں ہے اُس کا علم کیسے ہو؟

الجواب: اِس حکمت کے وجود کی پہچان اولاً: تو اُس صانع الحکیم کی حکمت سے ہوگی جو کہ تمام انتظامات کی صورت میں ثابت ہے، اور اُن حکمتوں سے ہوگی جو کہ تمام تر مصنوعات میں پائی جاتی ہیں؛ کیونکہ وہ حکمت جو کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی جزوی چیز کے ساتھ کُلی حکمتیں معلق کر دیتی ہے وہ ذرّوں کی اِن حرکات کو بغیر کسی حکمت کے نہیں چھوڑے گی، ذرّوں کی وہ حرکات جو کہ کائنات کے سیلِ رواں میں سب سے بڑی فعالیت کا اظہار کرتی ہیں اور جو حکیمانہ نقوش کا دارومدار ہیں۔۔۔ پھر یہ بھی ہے کہ حکمت اور حاکمیت جو کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کو بھی اُن کی ذمہ داریاں نبھانے پر بغیر اُجرت کے بغیر تنخواہ کے اور بغیر کمال کے نہیں رہنے دیتی ہیں، وہ اپنے اصلی اور اکثریتی خُدّام وملازمین یعنی ذرّات کو بغیر نور کے اور بغیر اُجرت کے نہیں چھوڑیں گی۔۔۔

ثانیاً: اس بات کی پہچان کہ ذرّات حکمت سے خالی نہیں ہیں بلکہ انہیں متحرک رکھ کر کمالات کی ایک ایسی قسم کی طرف ہانکا جاتا ہے جو کہ اُن کی شایانِ شان ہے، اِس کی پہچان اس طرح ہوگی کہ صانع الحکیم عناصر کو حرکت دے کر اُن کے سپرد کچھ ذمہ داریاں کرتا ہے، اور یوں اُنہیں معدنیات کے درجے پر ترقی دے دیتا ہے اور انہیں ایسی تسبیحات سکھا دیتا ہے جو کہ معدنیات کے ساتھ خاص ہیں، یہ تسبیحات اُن کے راہِ کمال میں گامزن ہونے کا اجر ہوتی ہیں، پھر وہ معدنیات کو حرکت دے کر اُن کے سپرد کچھ ذمہ داریاں کرتا ہے اور یوں اُنہیں نباتات کے حیاتیاتی مرتبے پر فائز کر دیتا ہے۔۔۔ اور پھر نباتات کو حرکت دیتا اور انہیں کچھ ذمہ داریاں سونپتا ہے اور انہیں حیوانات کے لطیف مرتبے پر فائز کر کے انہیں دوسروں کا رزق بنا دیتا ہے۔۔۔ اور پھر حیوانات کے ذرّات کی تحریک وتوظیف کر کے

انہیں رزق کی راہ سے حیاتِ انسانی کے درجے تک پہنچا دیتا ہے، چنانچہ انسانی بدن میں پائے جانے والے ذرّات کا متعدد بار تصفیہ وتلطیف کر کے انہیں جسم انسانی کے لطیف ترین مقام یعنی قلب و دماغ میں جگہ دے دیتا ہے۔۔۔

ثالثاً: ذرّات کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو کہ زندہ اجسام کے ذرّات کے مابین معنوی نور اور لطافت و مزیّت کا مظہر بن جاتی ہے۔ جیسے کہ گٹھلیوں اور بیجوں کے ذرّات ہیں۔ اور یوں وہ تمام ذرّات خود اُس ضخیم درخت کے لیے رُوح وسلطان کا رُوپ دھار جاتے ہیں ۔۔۔اب اس گرانڈیل درخت کے ذرّات کے مجموعے سے اِن ذرّات کا اِس مرتبے پر پہنچ جانا اس وجہ سے ہے کہ اُنھوں نے اُس درخت کی نشو ونما کے مختلف مراحل میں انتہائی دقیق ذمہ داریاں نبھانے اور گرانقدر مہمات سرانجام دینے کا کردار ادا کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ذرّات جب صانع الحکیم کے اَمر سے اپنے فطری وظائف ادا کرتے ہیں تو وہ اُن پر پڑنے والی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے مطابق انواع واقسام کی حرکات کے حساب سے ایک قسم کی معنوی لطافتیں، معنوی انوار، معنوی مقامات اور معنوی دروس و ہدایات حاصل کر لیتے ہیں۔۔۔

الحاصل

بے شک صانع الحکیم نے ہر شے کے لیے ایک نقطہ کمال متعین کر دیا ہے جو کہ اُس شے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، اور اسی طرح فیضانِ وجود کا ایک مرتبہ معین کر دیا ہے جو کہ اس کے لائق ہے، اور وہ اِس شے کو ایسی استعداد بھی عطا کر دیتا ہے اور اس طرح اُسے نقطۂ کمال کی طرف کھینچتا ہے تا کہ وہ از خود بھاگتی ہوئی وہاں تک پہنچ جائے۔ اور یہ قانون نباتات و حیوانات کی طرح جمادات میں بھی جاری وساری ہے، حتیٰ کہ وہ ایک عام مٹی کو ترقی دے کر الماس اور اس جیسے دوسرے جواہر کے بلند مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ اس حقیقت سے ''قانونِ

ربوبیت'' کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے۔

بے شک وہ خالقِ کریم جب حیوانات کو مسخر کر کے اُن سے عظیم الشان ''قانون تناسل '' کے باب میں خدمات لیتا ہے تو انہیں بطور اُجرت مشاہرے کی طرح جزوی لذتیں عطا کرتا ہے، اور ربانی خدمات میں استعمال ہونے والے تمام حیوانات _ شہد کی مکھی اور بلبل وغیرہ_ کو کمال کی اجرت عطا کرتا ہے اور انہیں ایسے مقامات عطا کرتا ہے جو شوق اور لذت کو اُبھارنے کا دارومدار ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے ''قانونِ کرم'' کا ایک عظیم الشان پہلو نمایاں ہوتا ہے۔۔۔

پھر جب ہر شے کی حقیقت کی نظر جناب حق کے کسی نہ کسی اسم کی تجلی کی طرف ہے، اور وہ اس کے ساتھ مربوط ہے اور اُس کا آئینہ ہے، تو پھر وہ شے جو بھی خوبصورت وضعِ اختیار کرے گی اُس کا سہرا اس اِسم کے سر ہوگا اور اُس کا تقاضا بھی یہی ہوگا۔ اور وہ خوبصورت وضع حقیقت کی نظر میں مطلوب بھی ہے، اُس شے کو اس بات کا پتا چلے یا نہ چلے۔

اِس حقیقت سے ''قانون تحسین و جمال'' کا ایک انتہائی عظیم الشان پہلو نمایاں ہوتا ہے۔۔۔

اور پھر جب فاطرُ الکریم جب کسی شے کو کوئی مقام یا کمال عطا کر دیتا ہے تو اُس سے وہ واپس نہیں لیتا ہے، یعنی یہ نہیں ہوتا ہے کہ اُس چیز کی مدت یا اس کی عمر ختم ہونے پر اس سے اس کا وہ مقام یا کمال واپس لے لے، بلکہ اُس کے ثمرات ونتائج، اس کا معنوی تشخص، اس کا معنی و مفہوم اور اس کی روح کو باقی رکھتا ہے، اگر وہ چیز روح والی ہے تو۔

مثال کے طور پر وہ کمالات جو انسان اس دنیا میں حاصل کرتا ہے وہ اُن کمالات کے معانی وثمرات کو باقی رکھتا ہے حتی کہ وہ ایک شکر گزار بندہ مومن جو پھل کھاتا ہے اور اس پر اللہ کا شکر اور اس کی حمد کرتا ہے، تو وہ کھانے کی وجہ سے زائل ہو چکے اُن پھلوں پر ادا کیے گئے

شکر اور حمد کو جنت کے پاکیزہ پھلوں کی صورت میں مجسم کر کے ایک دفعہ پھر لوٹا دے گا۔

اور اس حقیقت سے ایک عظیم الشان قانون، ''قانونِ رحمت'' کا ایک پہلو سامنے آتا ہے۔۔۔

پھر جب وہ خلاقِ بے مثال کسی شے میں اسراف نہیں کرتا ہے اور نہ ہی کوئی عبث کام کرتا ہے، اس حد تک کہ وہ مردہ مخلوقات کہ جن کی ذمہ داریاں موسم خزاں میں ختم ہو گئیں، اُن مخلوقات کے مادی ملبے کو اگلے موسم بہار کی مصنوعات کی ساخت پر داخت کے لیے استعمال کرتا ہے اور اُس پر اُن کی بنیادیں استوار کرتا ہے۔ بنا بریں، زمین کے یہ جامد اور شعور و ادراک سے خالی ذرّات جو اس دُنیا میں اپنی ذمہ داریاں نبھا چکے ہیں، تو پھر حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ﴾(۱) میں پائے جانے والے راز کی رُو سے اور ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ﴾(۲) میں پائے جانے والے اشارے کی رُو سے آخرت کی کچھ اُن بنیادوں میں استعمال کیا جائے کہ جن سے پتھر، درخت اور تمام اشیاء قطعی طور پر ذی حیات اور شعور و ادراک سے لبریز ہیں، حکمت کا تقاضا اس لیے ہے کہ دنیا کے ان خراب ذرّوں کو دنیا ہی میں چھوڑ دینا یا انہیں عدم میں پھینک دینا اسراف اور عبث ہے۔

اور اس حقیقت سے ایک عظیم القدر قانون ''قانونِ حکمت'' کا ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

پھر جب اس دنیا کے آثار، اس کی معنویات اور اس کے بہت زیادہ ثمرات اور جن و انس جیسے مکلّفین کے اعمال کے تانے بانے، اُن کے اعمال کے صحائف اور اُن کی رُوحیں اور اجساد آخرت کے بازار کی طرف بھیجی جائیں گی، تو پھر زمینی ذرّات کو بھی جنہوں نے

---

(۱) ابراہیم: 48 (۲) العنکبوت: 64

ان ثمرات و معانی کی خدمت کی ہے اور ان کی رفاقت میں رہے ہیں، اِن ذرّات کو بھی جب وہ اپنے متعلقہ ذمہ داریوں کو مکمل طور پر ادا کر کے ہر طرح سے مکمل ہو جائیں _ یعنی خدمت کے نُورِ حیات سے نہال ہو گئے ہوں اور بہت دفعہ اس کا مظہر بن گئے ہوں اور زندگی سے بھرپور تسبیحات کا دارو مدار بن گئے ہوں _ ان ذرّات کو بھی دنیا کی تخریب و انہدام کے بعد اس کے ملبے میں مندرج کر کے عالمِ آخرت کی طرف بھیج دینا چاہیے اور انہیں اس کی بنیادوں میں استعمال ہونا چاہیے، کہ عدل وحکمت کا تقاضا یہی ہے۔

اس حقیقت سے ایک عظیم الشان قانون ''قانونِ عدل'' کا ایک پہلو آشکار ہوتا ہے۔۔۔

پھر جس طرح روح جسم پر حاوی ہے، اسی طرح جامد مواد کے لیے تقدیرِ الٰہی کے لکھے ہوئے تکوینی اوامر بھی اس مواد پر حاکم ہیں، چنانچہ یہ جامد مواد تقدیرِ الٰہی کی معنوی کتابت کے حساب سے اپنے اپنے مقام میں براجماں ہو جاتے ہیں اور معین نظام کے مطابق چلتے ہیں۔ مثال کے طور پر انڈوں اور نطفوں کی مختلف انواع و اقسام اور گٹھلیوں اور بیجوں کی اصناف و اجناس میں یہ مادے تقدیرِ الٰہی کے لکھے ہوئے تکوینی اوامر میں اختلاف و تباین کی رُو سے مختلف انوار اور متباین انوار و مقامات کے مالک بن جاتے ہیں۔ یہ تمام مادے _ مادہ ہونے کی حیثیت سے _ اگرچہ ایک ہی ماہیت (۱) کے حامل ہیں لیکن یہ بے حد و حساب موجودات کی نشو ونما کا وسیلہ بن جاتے ہیں اس لیے مختلف مقامات اور متعدد انوار کے مالک بن جاتے ہیں اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اگر ایک ذرّہ زندگی میں زندگی سے

---

(۱) جی ہاں، یہ تمام کے تمام چار عناصر سے مرکب ہیں اور ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن جیسے مادوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ اب مادہ کے حساب سے انہیں ایک شمار کیا جا سکتا ہے۔ بس ان کے درمیان فرق صرف معنوی نوشتۂ تقدیر میں ہے۔۔۔ مؤلف۔

بھرپور خدمات اور ربانی تسبیحات کا حامل ہو اور زندگی کی بارہا دفعہ خدمت کر چکا ہو اور اپنے اس مقام میں اپنی ذمہ داریاں نبھا چکا ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ تقدیرِ الٰہی کا وہ قلم کہ جس کی نظر سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی ہے اُس ذرّے کی معنوی پیشانی پر اُن معانی کی حکمتیں نقش کر دیتا ہے۔ اور ایسا ہونا علمی احاطے کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔

اور اس حقیقت سے ایک عظیم الشان قانون ''قانون العلم المحیط'' کا ایک گوشہ آشکار ہوتا ہے۔

پس جو کچھ بیان ہوا اُس کی بنا پر: یہ ذرّات بگٹٹ یا بے لگام نہیں ہیں (۱)

نتیجۂ کلام

بے شک سابقہ قوانینِ سبعہ یعنی: قانونِ ربوبیت، قانونِ کرم، قانونِ تحسین و جمال، قانونِ رحمت، قانونِ حکمت، قانونِ عدل اور قانونِ علم محیط، اور ان جیسے دیگر قوانین عُظمیٰ، ان میں سے ہر قانون کے کسی نہ کسی پہلو سے اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسمِ اعظم اور اس اسمِ اعظم کی تجلیٔ اعظم کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور اِس تجلّی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ: اس دنیا میں پائے جانے والے ذرّات بھی دیگر موجودات کی طرح ہیں، یہ بھی اپنے تحوُّلات میں انتہائی حساس علمی میزان کے مطابق گردش کرتے ہیں اور ان کی یہ گردش تقدیرِ الٰہی کی کھینچی ہوئی حدود و قیود کے حساب سے اور قدرتِ الٰہیہ کے عطا کردہ تکوینی اوامر کے مطابق ہوتی ہے، اور یہ کہ اُن کی یہ گردش انتہائی بلند پایہ حکمتوں پر مشتمل ہے، اور یہ اپنی اس گردش میں ایک دوسرے بلند پایہ عالم کی طرف کوچ کرنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ (۲)

(۱) پیچھے جو سات فقرے گزرے ہیں ان کا جواب ہے۔۔۔ مؤلف۔

(۲) کیونکہ ـ ہمارے مشاہدے کے مطابق ـ اس کثیف سِفلی عالم میں اس فراوانی کے ساتھ نورِ حیات کو بکھیر دینا اور انتہائی جود و کرم سے دائمی فعالیت کے ساتھ اسے روشن کر دینا، حتیٰ کہ خسیس ترین اور (جاری)

تو گویا کہ یہ زندہ اجسام ایک مدرسے کا حکم رکھتے ہیں جن میں یہ سیاح ذرّے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ اُن کے لیے عسکری ٹریننگ سنٹر، بیرک اور تربیتی مہمان خانے ہیں۔ اور حدسِ صادق (۱) کے ذریعے یہ حکم لگانا بالکل صحیح ہے کہ: یہ واقعتاً ایسے ہی ہیں۔

الحاصل

ہر شے کہہ رہی ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ جیسے کہ پہلے مقالے میں ذکر کیا گیا ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے۔

پس ہر ذرّہ اور ذرّات کا ہر طائفہ اور ان میں سے ہر مخصوص جماعت اپنی زبانِ حال سے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہتی ہے اور تمام موجودات کی طرح محوِ حرکت رہتی ہے۔۔۔

جی ہاں! مذکورہ تین نقطوں میں پائی جانے والی دلیل کی رُو سے ہر ذرّہ اپنی حرکت کے آغاز میں کہتا ہے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾، یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ میں ''اللہ کے نام''، اس کی قوت، اس کی طاقت اور اُس کے اِذن سے اور اُس کی راہ میں حرکت کرتا

(بقیہ گزشتہ صفحہ) بدبودار مواد اور تعفن خیز اجسام میں بھی کثرت کے ساتھ نورِ حیات کو شعلہ زن کر دینا، اور پست اور خسیس مواد کو لطیف بنانا اور اسے نورِ حیات سے صیقل کر دینا، اس بات کی طرف صراحت کے قریب پہنچ جانے والا اشارہ کرتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ذرّات کی حرکات اور نورِ حیات کے ساتھ اِس جامد اور کثیف عالم کو پگھلاتا ہے، اُسے چمکاتا اور آراستہ پیراستہ کرتا ہے تاکہ اُسے آخرت کے لطیف، بلند، نظیف اور حیات سے بھرپور عالم کے لیے تیار کرے، گویا کہ وہ اُسے عالمِ لطیف کے سفر کے لیے آراستہ کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی تنگ نظری کی وجہ سے انسانی حشر کا استیعاب نہیں کر سکتے ہیں، وہ اگر قرآن کے نور کی نظر سے دیکھیں گے تو انہیں نظر آئے گا کہ ''قیومیت کا محیط قانون'' واضح طور پر نظر آ رہا ہے، اور مشاہدے کے مطابق وہ اس طرح سے تصرف کر رہا ہے کہ تمام ذرّات کو ایک لشکر کی طرح اکٹھا کر سکتا ہے۔۔۔ مؤلف۔

(۱) true intuition

ہوں۔ پھر ہر ذرّہ اور اُن ذرّات کا ہر طائفہ اپنی حرکت کے نتیجے پر دوسری مخلوق کی طرح کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾۔ چنانچہ وہ اس طرح اپنے آپ کو ہر بدیع مخلوق کے نقش و نگار میں جو کہ ایک مدحیہ قصیدے کا حکم رکھتی ہے، ایسے ظاہر کرتا ہے کہ جیسے وہ قلمِ قدرت کا ایک چھوٹا سا ریشہ ہو۔ بلکہ ہر ذرّہ خود کو اس طرح ظاہر کرتا ہے جیسے کہ وہ عظیم الشان ربانی معنوی گرامو فون کی سوئی کی نوک ہو، اور یہ سوئی ڈسکوں پر_ یعنی ربانی مصنوعات پر_ گھومتی ہے اور ان سے ربانی حمد وثنا پر مشتمل قصیدے اور تسبیحاتِ الٰہیہ سے بھرے ہوئے سریلے گیت برآمد کراتی ہے۔۔۔

﴿دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَ آخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

﴿رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلاَةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاِخْوَانِهٖ وَسَلِّمْ، وَسَلِّمْنَا وَسَلِّمْ دِيْنَنَا. آمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ.

''رسائل نور'' استاذ بدیع الزمان سعید نورسیؒ کے تالیف کردہ ایمان افروز رسائل کا مجموعہ ہے۔ استاذ بدیع الزمان سعید نورسیؒ مشرقی ترکی کے گاؤں نورس میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ علماء نے انہیں ان کی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر نوجوانی میں ہی ''بدیع الزمان'' یعنی یگانہ روزگار کا لقب دیا۔

آج ترکی میں جو مثبت تبدیلی اور مادی و معنوی ترقی ہمیں نظر آ رہی ہے وہ انہی رسائل کی برکت اور ان کے پڑھنے والوں کی محنت سے ممکن ہوئی ہے۔ طلاب نور نے اس عظیم امانت کو پورے عالم اسلام بلکہ پوری انسانیت تک پہنچانے کے لیے دنیا میں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ کروانے کا بیڑا اٹھایا، اسی سلسلے میں پاکستان کے اندر ''رسائل نور فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)'' کے نام سے ایک ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا ہے تاکہ ان رسائل کا اردو میں ترجمہ کر کے اہل پاکستان تک اس نورانی پیغام کو پہنچایا جا سکے اور لوگ اس سے اکتساب فیض کر سکیں۔ استاذ بدیع الزمان سعید نورسیؒ کی درج ذیل کتب اردو میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں اور مزید پر کام جاری ہے۔





















